إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً (النمل، آیه 34)

(بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو فساد مچاتے ہیں اور عزت دار لوگوں کو ذلیل کرتے ہیں)

تیغِ اصیل

ترتیب و تحقیق
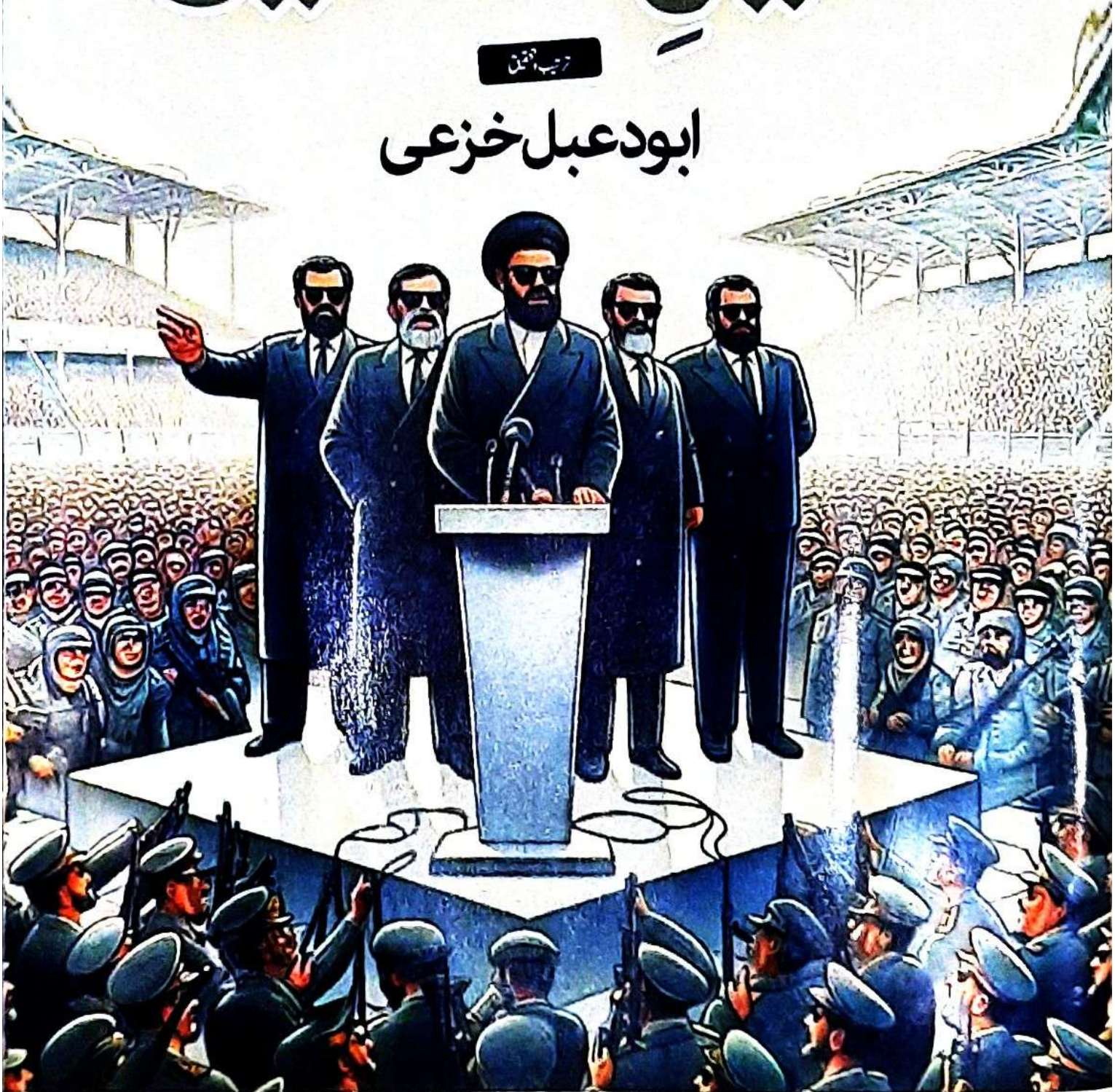
ابودعبل خزعی

شعبہ نشر و اشاعت مرکز ولایت علی پاکستان سندھ

تیغِ اصیل

Teigh-e-Aseel

ترتیب و تحقیق

ابودعبل خزعی

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ

(قرآن مجید سورہ الاعراف آیت 152)

بے شک وہ لوگ جنھوں نے بچھڑا بنا لیا عنقریب انھیں ان کے رب کی طرف سے بھاری غضب پہنچے گا اور بڑی رسوائی دنیا کی زندگی میں اور ہم جھوٹ باندھنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔

فہرست

مقدمہ

ابو بصیر سے مروی ہے کہ میں نے امام جعفر صادقؑ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا جس میں آیا ہے کہ اہل کتاب نے خدا کے بجائے اپنے عالموں اور زاہدوں کو اپنا رب بنا لیا تھا۔

اِتَّخَذُوٓا اَحبَارَھُم وَرُھبَانَھُم اَربَابًا

(سورہ توبہ، آیت 31)

آپؑ نے فرمایا: خدا کی قسم! ان عالموں اور درویشوں نے ان کو کھلم کھلا اپنی عبادت کی طرف نہیں بلایا تھا اور اگر ایسا کرتے تو وہ لوگ ان کی بات نہ مانتے، بلکہ انہوں نے ان کے لئے حرام کو حلال کر دیا تھا اور حلال کو حرام اور ان کو اس کی خبر نہ ہوئی۔ (اصول کافی، کتاب ایمان و کفر، باب شرک، حدیث 7(مکتبِ تشیع میں غیر معصوم کی ولایتِ مطلقہ کی نفی کی گئی ہے۔ شیعہ صرف امامِ معصوم کی حکومت کو ہی اسلامی حکومت سمجھتے ہیں۔ باقی حکومتوں کی مطلق اطاعت درست نہیں۔ چنانچہ آخوند خراسانی (متوفیٰ 1911ء) فرماتے ہیں:

"شیعہ عقیدہ کے مطابق صرف امامِ معصوم کو حکومت کرنے، لوگوں کے معاملات چلانے، مسلم معاشرے کے مسائل کو حل کرنے اور اہم فیصلے کرنے کا حق حاصل ہے۔ جیسا کہ انبیا علیہم السلام کے زمانے میں تھا یا امیر المومنین علی علیہ السلام کی خلافت کے زمانے میں تھا اور جیسا کہ امام مہدی علیہ السلام کے ظہور اور واپسی کے وقت ہوگا۔ اگر سیاسی ولایتِ مطلقہ معصوم کے علاوہ کسی کے پاس ہو تو یہ غیر اسلامی حکومت ہوگی۔ چونکہ یہ غیبت کا زمانہ ہے، اس لیے دو طرح کی غیر اسلامی حکومتیں ہو سکتی ہیں: پہلی نسبتاً عادلانہ جمہوریت جس میں لوگوں کے معاملات ایماندار اور

پڑھے لکھے لوگوں کے ہاتھ میں ہوں اور دوسری ظالم حکومت جس میں ایک آمر کو مطلق اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ لہٰذا شریعت اور عقل دونوں کی رو سے عدل ظلم سے بہتر ہے۔ انسانی تجربے اور محتاط غور و فکر سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ جمہوریت ریاست کے جبر کو کم کرتی ہے اور چھوٹی برائی کو ترجیح دینا واجب ہے۔" (محسن کدیور، "سیاست نامہ خراسانی"، ص 214 - 215، طبع دوم، تہران سن 2008ء(لیکن جدید دور میں کچھ ایسی تبدیلیاں آئی ہیں جن کے نتیجے میں اقتدار کی ہوس میں مبتلا افراد کیلئے ذہنی غلاموں کے جتھے بنانا اور ان پر ولایتِ مطلقہ قائم کرنا آسان ہو گیا ہے۔ جدید دور میں اخبارات، رسالے، سوشل میڈیا اور دوسرے ذرائع ابلاغ کو ذہن سازی کیلئے استعمال کرنا ممکن ہوا ہے۔ ذرائع مواصلات، جیسے ٹرین اور بسوں وغیرہ، کو جتھے کی نقل و حمل کیلئے استعمال کرنا ممکن ہوا ہے۔ ماضی میں برین واشنگ اور ٹرانسپورٹ اتنی آسانی سے نہیں ہو سکتی تھی لہٰذا آمریت عموماً جنگی حربوں کے ذریعے ہی قائم کی جاتی تھی۔

جتھے میں شامل ہونے والے افراد اپنی عقل کھو بیٹھتے ہیں، خوب و بد کی تمیز نہیں کر سکتے اور جتھہ (mob)ایک بڑے حیوان جیسا کردار اپنا لیتا ہے۔ پھر ان سے ہر برا کام کروا کر اسے جائز کام، بلکہ اچھائی، قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ کام سب سے پہلے اٹلی میں مسولینی کی قیادت میں ہوا۔ جتھے میں عموماً کم پڑھے لکھے اور تاریخ اور سماج کے بارے کم سوجھ بوجھ رکھنے والے افراد شریک ہوتے ہیں۔ عموماً غریبوں کے بچوں کو خوشحالی کی امیدیں دلا کر جتھوں میں شامل کیا جاتا ہے۔ گزشتہ چند سالوں میں وطنِ عزیز میں جتھے کے تشدد کے واقعات بہت ہو چکے ہیں۔ سری لنکا سے آئے مینیجر کا قتل ہو یا مسیحی بستیوں کو جلانا ہو یا کسی پر ہجوم کا ٹوٹ پڑنا ہو، یہ سب جتھے کے سیاست کے نمونے ہیں۔

جتھہ سازی آمریت کی بدترین شکل ہے۔ اس کیلئے علوم سیاست میں (totalitarianism) یا تمامیت خواہی کی اصطلاح پائی جاتی ہے۔ یہ اصل میں کچھ گمراہ کرنے والوں کی باطل ولایتِ مطلقہ ہوتی ہے جس کو قرآنِ مجید نے بنی اسرائیل کے زوال کی ایک وجہ قرار دیا۔ تمامیت خواہی کی ایک مثال ایران کا انقلاب ہے۔ یہ انقلاب کمیونزم کے حق میں اور اس کے خلاف ہونے والے اخوانی پروپیگنڈے کی کوکھ سے نکلا۔ دونوں نظریات تمامیت خواہی پر مبنی تھے۔ کمیونزم نے سٹالن کو جنم دیا تو اخوانی سوچ خمینی صاحب کی شکل میں مجسم ہوئی۔ نعرے وہی قوم کو عظمت دلانے، غریبوں کو نوازنے اور دنیا پر حکومت کرنے کے تھے۔ عام لوگوں نے اپنی عقل کا چراغ گم کر دیا تو ان سے جرائم کرائے گئے۔ فکری اختلاف رکھنے والوں کے جان و مال پر ہاتھ ڈالا گیا۔ اسلام میں کسی کی جان و مال کی حرمت پامال کرنا حرام قرار دیا گیا ہے، لیکن جتھے کی شریعت میں یہ سب جائز ہوا۔ چنانچہ آج ایرانی قوم دین سے بیزار ہو چکی ہے۔

اسلام کے نام پر جتھے کی سیاست کی سوچ برصغیر میں مسولینی کے زمانے میں اس کی نقالی میں پیدا ہوئی۔ کچھ مولوی صاحبان نے تحریک خلافت کی ناکامی کے بعد مذہبی تنظیمیں بنا کر اپنی مالی ہوس اور اقتدار طلبی کی خواہش کو پورا کرنا شروع کر دیا۔ مسولینی کی دیکھا دیکھی ہی یورپ میں بھی ہٹلر جیسے افراد سامنے آئے جن کے ظلم نے جرمن قوم کی تاریخ کو سیاہ کر دیا۔ تمامیت خواہی کو اسلام کا لبادہ مولانا مودودی نے پہنایا لیکن اس پر عمل ایران کے 1979ء کے انقلاب کے بعد ہوا۔ ابتدا میں پاکستانی شیعہ علماء اس انقلاب کی سوچ کو برآمد نہیں کر رہے تھے اور اس کی پاکستان میں ترویج مولانا مودودی نے شروع کی۔ چنانچہ جماعت اسلامی کی طرف سے مضامین لکھے گئے اور کتب سامنے لائی گئیں۔ اہل تشیع میں یہ سوچ تب آئی جب مفتی جعفر حسین صاحب کے انتقال کے بعد

ایک سازش کے ذریعے دور دراز کے دیہات سے تعلق رکھنے والے مولوی عارف حسین الحسینی کو قائد ملت جعفریہ بنا دیا گیا۔ اس طرح پاکستان کے شیعیان حیدر کرار میں ایک تیسری قوم سامنے آئی جسے اخوانی شیعیت کہا جاتا ہے۔ اخوانی شیعیت کا یہ فتنہ جہاں پورے پاکستان میں فتنہ پھیلا چکا ہے اور اب لاہور سے ایک بڑے مدرسے کے ذریعے بھی مزید پھیلایا جا رہا ہے۔

مرکز ولایت علی پاکستان سندھ اخوانی شیعیت کے خلاف سینہ سپر ہو چکا ہے۔ جتھے کی اس سیاست کو وطن عزیز کیلئے خطرناک سمجھتے ہوئے سربراہ مرکز ولایت علی پاکستان سندھ سید علی رضا جانی شاہ نے سندھ میں اس فتنے کے خلاف تحریک چلائی ہے۔ جس میں پہلی قسط میں احکام بحکم امام کے نام سے بنیادی شرعی مسائل دوسری کڑی میں اخوانی شیعت 1979 کے تناظر میں اور موجودہ کتاب تیغ اصیل اسی سلسلے کی تیسری کڑی ہے جو ایرانی انقلاب کے سربستہ رازوں سے پردہ اٹھاتی ہے تاکہ نوجوان نسل کو اس بظاہر پرکشش نظر آنے والے سانپ کے منہ میں چھپے زہر سے آشنا کیا جا سکے۔

ابو دعبل خزاعی
شعبہ نشر و اشاعت
مرکز ولایت علی پاکستان (سندھ)

تجدید عہد غدیر بحضور سرکار امام زمانہ علیہ السلام

میں شیعہ اثنا عشری ہوں اور ذیل میں دیئے گئے اپنے عقائد پر مطلق ایمان سے قائم ہوں اور مولا امام زمانہ صلواۃ اللہ علیہ سے مستدعی ہوں کہ مجھے اپنی نصرت سے عقائد پر قائم رکھے۔

- اللہ تعالیٰ کی خالص توحید اور واحدانیت پر ایمان مطلق رکھنا۔
- رسالت پناہ سرکار محمد مصطفیٰ ﷺ کی ولایت و رسالت و ختم نبوت پر مطلق ایمان رکھنا۔
- سرکار امیر المومنین علی ابن ابی طالب صلوات اللہ علیہ کی ولایت مطلقہ اور بارہ آئمہ طاہرین معصومین صلواۃ اللہ علیہم اجمعین کی امامت وولایت پر مطلق ایمان رکھنا۔
- منصوص من اللہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت و عصمت پر ایمان رکھنا۔
- مقام غدیر خم پر دین کے اکمل ہونے پر راسخ ایمان اور اس پیغام کو آئندہ نسل تک منتقل کرنا واجبات تشیع میں سے ماننا۔
- غیبت امام مہدی آخری الزمان صلواۃ اللہ علیہ پر مطلق ایمان اور اس بادشاہ کے انتظار کو لازم ماننا۔
- ہر وہ ہستی جو کلمۂ محمد کے تحت 'محمد' ہے کے مظہر صفات الٰہیہ اور اللہ تعالیٰ کی حجت ہونے پر مطلق ایمان رکھنا۔
- عزاداری سیّد الشہداء مظلوم امام حسین علیہ السلام کو واجب واجب عبادت ماننا۔
- کسی بھی غیر معصوم کو امام کا نائب نہ ماننا اور اولی الامر صرف منصوص من اللہ امام کو ہی ماننا۔
- اجتہاد دین آل محمدؐ میں حرام ہے۔
- کسی بھی غیر معصوم کی تقلید صریحا حرام سمجھنا۔
- خمس بلا شرکت غیرے خالصتاً سادات کا حق ماننا۔
- سورۃ النساء کی آیات ۱۲۷ اور ۱۷۶ کے مطابق فتویٰ دینے کا اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور اللہ تعالیٰ کے حلال و حرام کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا، پر ایمان رکھنا۔

- اثنا عشری شیعت میں بارہ ائمہ طاہرین صلوٰاۃ اللہ علیہم اجمعین کی امامت کے علاوہ باقی ہر امامت کا تصور باطل ماننا۔
- اور ہم پاکستان میں رہنے والے شیعہ اثنا عشری ولایت مولا علی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وابستہ ہیں اور ولایت علیؑ جیسی نعم عظمیٰ کے ہوتے ہوئے کسی غیر ملکی نظام ولایت فقیہہ سے وابستہ نہ ہوں۔
- شعائر حسینی ذوالجناح، تعزیہ و تابوت، علم مبارک، جھولا، مہندی و سہرا، ماتم و سینہ زنی و قمہ زنی، مجالس و محافل، نذر و نیاز و حاضری اور غم حسینؑ میں گریہ کناں ہونے کو عبادت ماننا اور ہر شے جو شعائر حسینی سے نسبت رکھے اس کا احترام و واجب و لازم ماننا۔
- سادات کا احترام واجب ماننا اور سیّد زادی کا ہم کفو کوئی غیر سیّد نہیں ہو سکتا، پر مطلق ایمان رکھنا۔ لہٰذا اس فعل حرام کے کرنے کے والے سے اظہار برات لازم ماننا۔
- محمدؐ و آلِ محمد صلوٰاۃ اللہ علیہم اجمعین کے فضائل، معجزات، اختیارات اور مصائب کے منکرین سے برات لازم سمجھنا۔
- مولا امیر المومنین علی ابن ابی طالب صلوٰاۃ اللہ علیہم کا فرمان ذیشان ہے کہ "جس مٹی پر رہو اس سے وفاداری تمھارا جزوِ ایمان ہے" کے تحت ملک پاکستان سے وفادار رہنا، اس پاک سرزمین سے غداری کو عدم ایمان سمجھنا۔

آیت اللہ شریعتمداری-زندان ولایت فقیہ میں جان دینے والا پہلا مرجع تقلید

آیت اللہ شریعتمداری کا شمار عالم تشیع کے مشہور اور نامور مراجع تقلید میں ہوتا ہے۔ 1961ء میں آیت اللہ بروجردی کی وفات کے بعد آیت اللہ شریعتمداری کا شمار عالم تشیع کے تین نامور مراجع تقلید میں ہونے لگا اور پوری دنیا میں ان کے مقلدین کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق 1970ء کی دہائی میں تقریباً ایک کروڑ شیعہ مسلمان ان کی تقلید کرتے تھے۔ آیت اللہ منتظری نے بھی اپنے ایک انٹرویو میں اس مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

حوزہ علمیہ قم میں ان کی شہرت اور محبوبیت کا اندازہ قائم مقام رہبری آیت اللہ منتظری کی ڈائری کے اس سطر سے لگایا جاسکتا ہے کہ جس زمانے آیت اللہ خمینی کو کوئی نہیں جانتا تھا کثیر تعداد میں طلاب اور فاضل علماء آیت اللہ شریعتمداری کے درسوں میں شرکت کرتے تھے اور کسب فیض کرتے تھے۔ آیت اللہ منتظری نے اپنی یاداشتوں میں لکھا ہے:

"آیت اللہ بروجردی کی وفات کے بعد، قم میں آیت اللہ شریعتمداری، آیت اللہ گلپائیگانی اور کسی حد تک آیت اللہ مرعشی کے مرید پائے جاتے تھے، مگر آیت اللہ خمینی کا کوئی نہیں تھا۔"

آیت اللہ محمد شریف رازی کی روایت کے مطابق حوزہ علمیہ قم کے علماء و فضلا کی کثیر تعداد آیت اللہ شریعتمداری کی درسوں میں شرکت کرتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

"آنجناب (آیت اللہ شریعتمداری) کے درس خارج کی کلاسوں کا شمار قم کے پُر ہجوم ترین درسوں میں ہوتا ہے جس نے ایسے برجستہ شاگردوں اور بزرگوار اساتید کی تربیت کی ہے جن میں سے ہر کوئی دورِ حاضر کا ایک قابل فخر عالم دین ہے اور براستی آنجناب نے حوزہ علمیہ قم کی محافظت اور دیکھ بھال میں بڑا کردار ادا کیا ہے اور اسی طرح آپ دیگر چھوٹے شہروں کے حوزہ ہائے علمیہ پر بھی خصوصی توجہ دیتے ہیں اور ان شہروں میں موجود دینی علوم کے مدرسوں کو شہریہ بھی دیتے ہیں۔ آنجناب نہ صرف ایران میں مرجعیت رکھتے ہیں بلکہ پاکستان،

ہندوستان، لبنان، کویت، خلیج فارس کے عرب ممالک اور ترکی میں بھی کثیر تعداد میں لوگ آپ کی تقلید کرتے ہیں۔"

حوزہ علمیہ کی بانی آیت اللہ شیخ عبد الکریم حائری کے فرزند آیت اللہ مھدی حائری نے لکھا ہے:

"(آیت اللہ بروجردی کی وفات کے بعد علمائے حوزہ علمیہ میں آیت اللہ شریعتمداری کیا مقام رکھتے تھے؟) شریعتمداری ان مراجع تقلید میں سے تھا جن کے مقلدین کی تعداد اتفاق سے باقی سب سے بہت زیادہ تھی: آقائے گلپائیگانی سے زیادہ، آیت اللہ خمینی سے زیادہ۔ قابل مقائسہ ہی نہیں تھا۔۔۔ اور درجہ اول کے مراجع میں ان کا شمار ہوتا تھا۔"

آیت اللہ شریعتمداری نہ صرف دینی علوم پر توجہ رکھتے تھے بلکہ دنیاوی علوم کا حصول بھی طلاب کے لئے لازمی جانتے تھے۔ اسی بنا پر انہوں نے قم میں "دار التبلیغ الاسلامی" کے نام سے ایک اعلیٰ درجے کے دینی مدرسے کی بنیاد رکھی جس میں داخلہ لینے والے طلاب کے لئے لازمی تھا کہ وہ انگریزی زبان سیکھیں اور ماڈرن علوم سے آشنائی حاصل کریں۔

آیت اللہ خمینی کی جان بخشی کے لیے جدوجہد

آیت اللہ شریعتمداری کی شہرت اور عزت و احترام کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب شاہ کی حکومت نے آیت اللہ خمینی کو ان کی سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے گرفتار کرکے جیل میں ڈال دیا اور یہ بات زبان زد عام و خاص ہو گئی کہ ملک میں بدامنی پھیلانے کے جرم میں بادشاہ آقائے خمینی پر مقدمہ چلا کر انہیں پھانسی دینا چاہتا ہے تو ایسے نازک موقع پر آیت اللہ شریعتمداری سرگرم ہو جاتے ہیں اور آیت اللہ خمینی کی جان بخشی کے لئے جدوجہد میں لگ جاتے ہیں۔

اس سلسلے میں آیت اللہ خمینی کے بڑے بھائی آیت اللہ پسندیدہ کے اُس "شکایت نامہ" سے چند سطروں کا حوالہ دینا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا جو انہوں نے انقلاب کے بعد اپنے چھوٹے بھائی آیت اللہ خمینی کے نام لکھا۔ اس

شکایت نامے میں وہ آیت اللہ خمینی کو اسی بات کی یاددہانی کراتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہم نے کس طرح قم کے مراجع کے آگے ہاتھ جوڑا اور آیت اللہ شریعتمداری جیسے بزرگوار سادات کی جدوجہد سے آپ کی جان بخشی ہوگئی:

"آپ کس طرح مسندِ ولایت پر براجمان ہیں جبکہ۔۔۔ بدعہد لوگوں کو طاقت و مقام عنایت کرتے ہو درحالیکہ سادات عالی قدر، سبطِ افتخار ازلی تشیع، حاج آقا حسن قمی، حاج آقا حسین قمی طاب ثراہ اور آقائے حاج سید کاظم شریعتمداری، شیعیان مولا علی کے برحق مرجع کو انتہائی حقارت کے ساتھ نظر بند کرتے ہو اور ان سے مرجعیت چھین لیتے ہو۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے بیس سال پہلے میرے اشک و نالوں کی وجہ سے آپ کی مرجعیت پر مہر تصدیق ثبت کرکے بادشاہ کو بھیجا تھا تاکہ آپ اہانت آمیز برتاؤ اور اذیت و آزار سے بچ جائیں۔" (تحریر شدہ 25 شوال 1403 ہجری قمری)

یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس دور میں ملک کا آئین حکومت کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا تھا کہ وہ ایک مرجع تقلید پر حکومتی عدالت میں مقدمہ چلائے، مگر مشکل یہ تھی کہ آقائے خمینی اس زمانے میں مرجع تقلید نہیں تھے۔ آیت اللہ خمینی کی جان صرف اس صورت میں بچ سکتی تھی اگر بعض دیگر مراجع تقلید آیت اللہ خمینی کا تعارف ایک مرجع تقلید کے طور پر کرتے۔

آیت اللہ منتظری نے اپنی یادداشتوں میں اس حوالے سے لکھا ہے:

"چونکہ یہ بات چل رہی تھی کہ بادشاہ آیت اللہ خمینی پر مقدمہ چلانا چاہتا ہے، مگر اس زمانے کے آئین کے مطابق ایک مرجع تقلید پر مقدمہ نہیں چلایا جاسکتا تھا۔ اس بنا پر حضرات آیات آقائے شریعتمداری، آقائے شیخ میلانی، آقائے مرعشی نجفی اور آقائے شیخ محمد تقی آملی نے ایک تحریر تیار کی جس میں آقائے خمینی کو مرجع تقلید کے عنوان سے پیش کیا گیا تاکہ وہ سزائے موت سے بچ سکے" (آیت اللہ منتظری کی ڈائری ص:238)

خود آیت اللہ شریعتمداری اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"ہم اسی وقت عازم تہران ہوئے اور شاہ عبد العظیم میں تمام شہروں کے علماء کو اکٹھا کیا اور مرحوم آیت اللہ میلانی سے جو کہ مشہد میں تشریف رکھتے تھے، گزارش کی کہ وہ بھی وہاں تشریف لے آئے۔ چونکہ اس وقت حکومت آیت اللہ خمینی پر مقدمہ چلانے اور ان کے ساتھ سخت برتاؤ کرنے کا ارادہ رکھتی تھی یہاں تک کہ اخبارات اس وقت سزائے موت کی بات کر رہے تھے، اس وجہ سے ہم نے ضروری سمجھا کہ اس کی روک تھام کی جائے۔ تہران میں ہمارے قیام نے ایک دو مہینے طول پکڑا اور کسی حد تک وہ باطل سوچ ختم ہوا، ہم نے گیارہ آرٹیکل پر مشتمل ایک اعلانیہ پیش کیا اور حکومت کے تمام دعوؤں کو مسترد کر دیا۔" (روزنامہ اطلاعات: 4جون1979ء)

یہ سکے کا وہ رخ تھا جب آیت اللہ شریعتمداری ایک مرجع تقلید کے عنوان سے ایک طاقتور شخصیت ہوا کرتے تھے اور انہوں نے کس طرح بُرے وقت میں آیت اللہ خمینی کا ساتھ دیا اور انہیں حکومت کی طرف سے ملنے والی ممکنہ سزائے موت سے بچانے کے لئے جدوجہد کی جس کے نتیجے میں آقائے خمینی شاہی حکومت کے چنگل سے آزاد ہوا۔ وقت گزرتا رہا اور سکے کا دوسرا رخ اس وقت سامنے آیا جب انقلاب کے بعد آیت اللہ خمینی برسر اقتدار آئے۔

حزب اللہ اور حزب الشیطان

انقلاب کے وقت ایران سیاسی میدان میں سرگرم دو بڑی مذہبی سیاسی پارٹیوں میں سے ایک "جمہوری اسلامی" اور دوسری "جمہوری خلق مسلمان" تھی۔ جمہوری اسلامی کی بنیاد رکھنے والے آیت اللہ خمینی کے شاگردان اور خاص لوگ تھے جبکہ جمہوری خلق مسلمان بنانے والے آیت اللہ شریعتمداری کے قریبی لوگ تھے اور ظاہراً ان کی حمایت بھی اس جماعت کو حاصل تھی جو کہ آیت اللہ خمینی کے شاگردوں پر گراں گزرتی تھی۔ رہبر انقلاب کے شاگرد آیت اللہ شریعتمداری کو اپنے استاد کا رقیب سمجھتے تھے اور اعتقاد رکھتے تھے کہ بادشاہ کے ساتھ ان کا طرز تعامل مسالمت آمیز رہا ہے۔ اس پر مستضاد یہ کہ آیت اللہ شریعتمداری بعض

حکومتی پالیسیوں سے اختلاف نظر رکھتے تھے اور ان پر کھلا اعتراض کرتے تھے۔ مثال کے طور پر انہوں نے ایکسپرٹ کونسل، آئین جمہوری اسلامی کے بعض دفعات اور خاص کر ولی فقیہ کے وسیع اختیارات کو تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔ ایک کروڑ شیعہ مسلمانوں کے اس مرجع تقلید کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کا آغاز یہیں سے ہوتا ہے۔

اگرچہ انقلاب اسلامی کی دستاویزات تیار کرنے والوں نے تاریخ میں تحریف کرتے ہوئے عوام کو یہ دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے کہ آیت اللہ شریعتمداری "جمہوری اسلامی پارٹی" کے مقابلے میں "خلق مسلمان پارٹی" کی حمایت کرتے تھے، مگر حقیقت اس کے برخلاف نظر آتی ہے۔ اسی زمانے میں مختلف پارٹیوں میں شمولیت کے حوالے سے ہونے والے ایک استفتاء کا انہوں نے جو جواب دیا وہ نہایت واضح ہے:

"اِس پارٹی (جمہوری خلق مسلمان) اور باقی کسی بھی اسلامی پارٹی کا ممبر بننا جو کہ "انجمن روحانیت" کے زیر نظر کام کر رہی ہیں، نہ صرف بلامانع ہے بلکہ ایک دینی و قومی فریضہ ہے۔ خداوند متعال تمام اسلامی پارٹیوں کو جمہوری اسلامی ایران کے استحکام کے لئے جدوجہد کرنے کی توفیق عنایت کرے۔"

آیت اللہ شریعتمداری آئین جمہوری اسلامی ایران کے دفعہ نمبر 110 سے متفق نہیں تھے کیونکہ یہ دفعہ ولی فقیہ کو ایسا اختیار دیتا ہے جو عوام کے اختیار کو سلب کرتا ہے اور اسی آئین کے دفعہ نمبر 6 اور 56 سے ٹکراؤ میں ہے۔ وہ خود لکھتے ہیں:

"ہم نے ایکسپرٹ کونسل کے نشستوں کے دوران کئی بار مختلف انٹرویوز کے ذریعے (آئین کے) بعض دفعات کی تصحیح اور تکمیل کے حوالے سے اپنا مطمع نظر بیان کیا ہے۔

۔۔۔دفعہ نمبر 6 اور دفعہ نمبر 56 جو کہ شریعت کے موافق بھی ہیں، عوام کی بالادستی کو یقینی بناتے ہیں، مگر دفعہ 110 عوام کے اختیارات کو قوم سے سلب کرتا ہے اور نتیجتاً دفعہ نمبر 110 باقی دو دفعات یعنی دفعہ 6 اور 56 سے مکمل تضاد میں قرار پاتا ہے۔ اور تضاد بھی ایسا کہ کسی قسم کی تاویل و توجیہہ کے ذریعے اس اختلاف اور تضاد کو رفع نہیں کیا جاسکتا۔ اس تضاد کے علاوہ، آئین میں بعض اور بھی دفعات ایسے ہیں جو کہ قابل اعتراض

ہیں۔ اسی طرح، اس میں کچھ دیگر خامیاں اور خرابیاں بھی نظر آتی ہیں جن کی اصلاح ضروری ہے باوجود اس کے کہ وہ اہمیت کے لحاظ سے دوسرے درجے میں قرار پاتے ہیں۔

لیکن جو چیز سب سے اہم ہے وہ دفعہ 110 اور اس کے ذیلی شقوں میں ایسی تبدیلی اور اصلاح ہے جو عوام کی بالادستی کے ساتھ سازگار ہو اور آپس میں تضاد نہ رکھتا ہو۔ لہذا میں کھلے الفاظ میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ جلد از جلد ان نقائص کی طرف توجہ کر کے انہیں دور کیا جائے تو آئین کے باقی دفعات بلامانع ہیں۔"

روزنامہ اطلاعات میں اس اعلانیہ کا شائع ہونا تھا کہ حکومت کے ڈنڈہ بردار انقلابی پریشر گروپوں کو جو کہ پہلے ہی کسی ایسے موقع کے منتظر تھے، اس مرجع تقلید کے بیت پر حملہ آور ہونے کا موقع ملتا ہے اور حکومت کے طرفداروں اور آیت اللہ شریعتمداری کے چاہنے والوں کے درمیان سخت قسم کی کشیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔

ان حالات میں بعض علماء اس خیال کے ساتھ کہ اس کشیدگی کی اصلی وجہ "خلق مسلمان پارٹی" اور آیت اللہ شریعتمداری کا اس پارٹی کی حمایت کرنا ہے، اس کشیدگی کو دور کرنے کے لئے آیت اللہ شریعتمداری کو ایک خط لکھتے ہیں جس میں ان سے یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ "خلق مسلمان پارٹی" کی تحلیل کا اعلان کر کے اس تناؤ اور کشیدگی کو ختم کرے۔ آیت اللہ شریعتمداری خط کا جواب ان الفاظ میں دیتے ہیں:

"جو نکتہ آپ آقایان محترم سے کہنا چاہتا ہوں یہ ہے کہ حکومت نے جو طرز عمل اپنا رکھا ہے اس کی موجودگی میں ضروری نہیں ہے کہ پارٹی کے بانیان پارٹی کو تحلیل کریں بلکہ حکومت خود تمام پارٹیوں پر امریکی، صیہونیستی اور ضد اسلام کا مہر لگا کر انہیں تحلیل کرے گی۔ لہذا اس حوالے سے آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

کچھ دنوں بعد اپنی ایک تقریر میں آیت اللہ شریعتمداری نے کہا:

آپ لوگ ہم پر الزام تراشی کرتے ہیں، جو آپ کا دل کرتا ہے ہم اور ہمارے دوستوں کے خلاف لکھتے اور شائع کرتے ہیں لیکن ہمیں "آہ" تک کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ ہم نے آخر کونسا گناہ کیا ہے کہ اس حد تک

تہمت و الزام کے مستحق قرار پائے ہیں؟ میں وہی شخص ہو جو کچھ مہینے پہلے تھا۔ صرف یہی ہوا ہے کہ اپنے شرعی فریضے پر عمل کرتے ہوئے، آئین کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ آخر ایسا برتاؤ اور آزادی بیان پر ایسا قدغن کہ ایک مرجع تقلید تک اپنے موقف کا اظہار نہ کر سکے! یہ تو وہی چیز ہے جس کے خلاف ہم نے جہاد کیا تھا۔"

جھوٹا الزام، جعلی کیس اور جبری اعتراف

حکومت جو کہ اس ہر دلعزیز مرجع تقلید کو منظر عام سے حذف کرنے کے لئے اپنی پوری توانائی صرف کر رہی تھی، اس دفعہ قطب زادہ کیس کو بہانہ بنا کر ان پر حملہ آور ہوتی ہے۔ صادق قطب زادہ جو کہ آیت اللہ خمینی کا مصاحب خاص تھا، فرانس سے ہی آیت اللہ خمینی کے ساتھ وطن واپس آیا تھا اور بعد میں جمہوری اسلامی ایران کا چوتھا وزیر خارجہ بنا تھا۔

قطب زادہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ مولویوں ملاؤں کی حکومت کے خلاف تھا اور نجی محفلوں میں اپنے عزائم کا اظہار کرتا تھا جس کی بھنک حکومت کے حساس اداروں کو ملتی ہے۔ کچھ عرصہ بعد اسے آیت اللہ خمینی کے گھر کو بم سے اڑانے کے لئے گھر کے قریب موجود کنویں میں دھماکہ خیز مواد چھپانے کے الزام میں گرفتار کر لیا جاتا ہے اور صرف تین ساعتوں کے بعد عدالت اسے موت کی سزا سناتی ہے۔ بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی بلکہ اچانک قطب زادہ کو انٹرویو اور اقرار جرم کے لئے سرکاری ٹی وی پر لایا جاتا ہے جہاں وہ اس سازش کی تفصیل بیان کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ آیت اللہ شریعتمداری اس سازش کے بارے میں جانتے تھے۔

آیت اللہ شریعتمداری نے اپنے ایک بیانیہ میں صادق قطب زادہ کے بیانات کی تردید کرتے ہوئے لکھا:

"آپ دیکھیں کہ قطب زادہ نے کیا کہا ہے، وہ کہتا ہے کہ اس کا ہمارے ساتھ براہ راست رابطہ نہیں تھا بلکہ بیچ میں موجود دو افراد ایک حجازی اور دوسرا آقائے مہدوی کے ذریعے اس نے ہمیں مطلع کیا ہے اور ہم نے وعدہ کیا ہے کہ اگر انہوں نے اپنی سوء نیت کو عملی جامہ پہنایا تو اس وقت ہم تائید کریں گے۔ میں ان باتوں کی مکمل تردید کرتا ہوں"

قطب زادہ کیس کے قاضی آقائے محمدی ری شہری نے اپنی یادداشتوں پر مشتمل کتاب میں ان واقعات کی تفصیل بتاتے ہوئے آیت اللہ شریعتمداری کے بارے میں لکھا ہے:

"وہ خود پر لگنے والے الزامات کے حوالے سے عام سرکاری تفتیشی افسران کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ البتہ شاید کسی میں اتنی جرات نہیں تھی کہ جاکر ان سے سوال وجواب کرے۔ ان کی معزز شخصیت کے پیش نظر تحقیق کے لئے میں خود ان کے پاس قم چلا گیا اور گھر کے بیرونی حصے میں بیٹھ کر انہیں پیغام بھیجا کہ یہاں تشریف لے آئیں۔ وہ آئے اور بیٹھے تو میں نے ان سے کہا کہ آقائے قطب زادہ حکومت کے خلاف کچھ کارروائی کرنے کا ارادہ رکھتا تھا اور اس نے آپ کو بھی اس سے آگاہ کیا تھا۔ کیا آپ اس بات کو قبول کرتے ہیں؟ آقائے شریعتمداری نے جواب دیا کہ یہ جھوٹ ہے اور میں اس بارے میں بالکل بے خبر ہوں۔ میں نے کہا: بہت خوب آپ یہی بات مجھے لکھ کر دیں کہ یہ ایک جھوٹا الزام ہے۔ پھر میں نے تفتیشی کاغذ پر اپنے سوالات لکھ کر ان کے سامنے رکھا اور انہوں نے جوابات لکھ دیئے۔"

آیت اللہ منتظری نے اپنی یادداشتوں میں ایک جگہ اس حوالے سے لکھا ہے

"ایک دن آقائے حاج احمد آقا (آیت اللہ خمینی کا بیٹا) قم میں ہمارے گھر آئے۔ اس وقت آقائے حاج سید ہادی بھی وہاں موجود تھے۔ احمد آقا دھمکی آمیز لہجے میں کہنے لگے کہ آج رات قطب زادہ ٹیلی ویژن پر آقائے شریعتمداری کے بارے میں کچھ باتیں کرنے والا ہے۔ آپ کو خبردار کرتا ہوں کہ آپ بالکل خاموش رہیں گے اور کوئی بات نہیں کریں گے"!

آیت اللہ منتظری مزید لکھتے ہیں:

"بعد میں سنا کہ آقائے حاج احمد آقا جیل میں قطب زادہ سے ملنے گیا تھا اور ملاقات کے دوران اس سے کہا تھا کہ مصلحت یہی ہے کہ تم فی الحال یہ باتیں کرو اور اقرار جرم کرلو، امام بعد میں تمہیں معاف کردے گا۔ لیکن ہوا یہ کہ بعد میں اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس کے علاوہ کچھ عرصہ بعد ایک معتبر ذریعے سے معلوم ہوا کہ مرحوم امام کے گھر کے قریب موجود کنویں میں دھماکہ خیز مواد ڈالنے کا واقعہ صرف ایک جھوٹی کہانی

تھی اور واقعیت نہیں رکھتا تھا۔ اس ڈرامے کا مقصد صرف مرحوم آقائے شریعتمداری کے خلاف کیس بنا کر انہیں پھنسانا تھا۔" (آیت اللہ منتظری کی ڈائری ص: 485)

بہر حال قطب زادہ کے اعتراف نے اپنا کام کر دکھایا اور حالات اس نہج پر جانے لگے جس کی حکومت کو آرزو تھی۔ یہ ایک ہنگامہ خیز اعتراف تھا جس کے نتیجے میں سارے انقلابی آیت اللہ شریعتمداری کے جان کے دشمن ہو گئے اور انہوں حملہ کر کے ان کے گھر اور مدرسے کا محاصرہ کر لیا۔

آقائے رفسنجانی نے اپنی ڈائری میں اس تاریخ کی یادداشت میں لکھا ہے:

مجھے اطلاع ملی ہے کہ نماز جمعہ کے بعد قم کے لوگوں نے آقائے شریعتمداری کے خلاف احتجاجی جلوس نکال کر "دارالتبلیغ" پر قبضہ کر لیا ہے۔ ان کے قریبی لوگوں کے ٹیلی فون لائنوں کو بھی کاٹ دیا ہے۔"

آیت اللہ شریعتمداری نے اپنے متعلق ہونے والی غلط فہمی کا ازالہ کرنے اور صورتحال کی واقعیت سے آگاہ کرنے کے لئے آیت اللہ خمینی کو کئی خطوط لکھے مگر انہوں نے اس مرجع مظلوم کے کسی خط پر توجہ نہیں دی اور حالات بد سے بدتر ہوتے گئے۔ خود پر ہونے والی ظلم و ناانصافی کی شکایت کرتے ہوئے آیت اللہ شریعتمداری ایک خط میں لکھتے ہیں:

"مجھ پر لگائے جانے والے الزامات کی تردید کرنے اور حقیقت بیان کرنے کا مجھے موقع نہیں دیا جاتا اور اس وقت میرا گھر مکمل محاصرے میں ہے اور آمد و رفت پر پابندی۔ اگر میرے خلاف یہی پروپیگنڈے جاری رہے اور نماز جمعہ کے خطبوں، ذرائع ابلاغ اور اخبارات میں لوگوں کو میرے خلاف اکسانے کا سلسلہ جاری رہا تو میرے اور میرے گھر والوں کی زندگی شدید خطرے میں پڑ جائے گی۔ لہذا آقایان کو اس خطرے سے آگاہ کرتا ہوں اور اپنی شکایت خدا کے درگاہ میں لے جاتا ہوں۔"

قطب زادہ کے ان اعترافات کے بعد حکومت کی ایما پر "انجمن مدرسین حوزہ علمیہ قم" نے ایک اطلاع نامہ میں کہ جسے بہت سارے بزرگ علمائے کرام نے شک کی نظر سے دیکھا، ایک نئی بدعت کی بنیاد رکھتے ہوئے

آیت اللہ شریعتمداری کو مرجعیت کے مقام سے معزول کر دیا حالانکہ سالوں پہلے حوزہ علمیہ قم کے بانی آیت اللہ العظمیٰ شیخ عبد الکریم حائری نے ان کی مرجعیت پر مہر تصدیق ثبت کی تھی۔

حکومت نے اسی پر اکتفانہ کیا بلکہ نظر بندی میں ان سے پوچھ گچھ اور تفتیش کا ایک گھناؤنا سلسلہ شروع کیا اور آخر میں عوام الناس کو فریب دینے کے لئے کاٹ چھانٹ اور ویڈیو ایڈیٹنگ سے کام لیتے ہوئے سرکاری ٹی وی پر ان کا ایک ویڈیو نشر کیا گیا جس میں وہ ایک کاغذ پر لکھا ہوا متن پڑھ رہے تھے اور اپنے قصور یا تقصیر کے حوالے سے خدا کے درگاہ میں استغفار کر رہے تھے۔

اس مظلوم مرجع تقلید نے ایک خط میں ٹیلی ویژن سے نشر ہونے والی ویڈیو کو کاٹ چھانٹ شدہ قرار دیتے ہوئے لکھا:

"اُن چیزوں میں سے ایک کہ جن پر جوان مردہ ماں کی طرح رونا لازم ہے یہ ہے کہ مجھ سے کچھ سوالات پوچھے گئے اور ان کا جواب دینے پر مجھے مجبور کیا گیا اور جب میں نے ان سوالوں کا جواب دیا تو اسے ٹیلی ویژن سے اس طرح نشر کیا گیا کہ میری آدھی باتوں کو کاٹ دیا گیا تھا۔۔۔ اور مقام حیرت یہ کہ قاضی (آقائے ری شہری) نے خود میرے سامنے اقرار کیا کہ: میں نے اس ویڈیو کو اس انداز میں ایڈیٹ کرنے کا حکم دیا تھا۔"

یہاں اس بات کا ذکر بیجا نہ ہو گا کہ آیت اللہ شریعتمداری کو بدنام کرنے کے لئے انجام شدہ کارروائیوں کے ممکنہ منفی اثرات سے بچنے اور آیت اللہ خمینی کو شہرت اور تقدس بخشنے کے لئے حکومت نے ایک اور عجیب و غریب کام کیا۔ آیت اللہ خمینی کے بارے میں یہ مشہور کر دیا کہ چاند پر ان کی شبیہ دکھائی دی گئی ہے۔ اس اعلان نے آیت اللہ خمینی کو شہرت کو چار چاند لگا دیئے اور دنیا کے کئی ملکوں میں ہزاروں افراد نے چاند پر ان کی تصویر دیکھنے کی کوشش کی۔ تصویر دکھائی نہ دینے کے باوجود ہزاروں کمزور عقیدہ لوگوں کا آج بھی یہ خیال ہے کہ امام خمینی کی شبیہ چاند میں ضرور دکھائی دی گئی ہو گی۔

ان ساری کارروائیوں کے ذریعے ایک کروڑ مومنین کے مرجع تقلید کو بے آبرو کر کے اور آقائے خمینی کو شہرت بخش کر حکومت کافی حد تک اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکی تھی اور ہزاروں سادہ لوح مومنین نے آیت اللہ شریعتمداری کی تقلید چھوڑ کر آقائے خمینی کی تقلید کا طوق اپنی گردنوں میں ڈالنا شروع کیا تھا۔

آیت اللہ شریعتمداری نے اپنے خلاف ہونے والے نفرت انگیز پروپیگنڈے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رہبر جمہوری اسلامی کو مخاطب کر کے ایک اور خط میں لکھا:

"اگر آپ کا مقصد ہمیں بے آبرو کرنا تھا تو وہ مکمل طور پر حاصل ہو چکا اور اگر ہم سے مرجعیت کو چھیننا تھا تو یہ کامیابی بھی حاصل ہو چکی۔ اب مزید میرے خلاف افواہ پھیلانے کا سلسلہ جاری رکھنے کے دو نقصانات ہیں: ایک، میرے اور میرے متعلقین کے لئے بدامنی، افراتفری اور خطرات پیدا ہونگے اور دوسرا، غیر ملکی موقع پرست ریڈیو والے اس سے غلط فائدہ اٹھائیں گے اور یہ دونوں باتیں تکلیف دہ ہونگی۔ لہذا آپ سے گزارش کرتا ہوں حکم صادر فرمائیں کہ اس پروپیگنڈے کو یہیں پر روک دیں کہ اس سے نقصان کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہو گا۔"

ان تمام بیانات اور لکھے گئے خطوط کے باوجود آیت اللہ شریعتمداری پر حکومت کا دباؤ کم نہ ہوا۔ ان کی نظر بندی ختم ہوئی اور نہ ہی اس ضعیف العمر سادات کو جو کہ کینسر جیسی موذی مرض میں مبتلا تھے، اپنا علاج کرانے کے لئے کسی ہسپتال میں جانے کی اجازت ملی۔ سرکاری سطح پر شائع ہونے والی دستاویزات کے مطابق حکومت کے اعلیٰ حکام شروع سے ہی یہ بات جانتے تھے کہ آیت اللہ شریعتمداری کو کینسر ہے مگر ان کی اور ان کے ڈاکٹر کی گزارش کے باجود انہیں علاج کے لئے تہران کے کسی ہسپتال سے رجوع کرنے کی اجازت نہ ملی۔ اس حوالے سے شائع شدہ دستاویزات میں سے ایک میں آیا ہے۔

مرحوم آیت اللہ حاج آقا رضا (صدر) آیت اللہ شریعتمداری کی نظر بندی ختم کرانے یا کم از کم اس مرجع مظلوم کی جان بچانے کے لئے آپریشن اور علاج کی خاطر انہیں ملک سے باہر کے کسی ہسپتال میں منتقل کرنے کی اجازت حاصل کرنے کے لئے آیت اللہ آقائے حاج عبد الکریم موسوی اردبیلی اور آیت اللہ آقائے حاج

سید محمد صادق لواسانی کے ذریعے آیت اللہ خمینی کو بار بار پیغام بھیجتے تھے مگر ان کا جواب ہمیشہ منفی ہوتا تھا۔ آیت اللہ صدر سے نقل شدہ ایک روایت کے مطابق ایک دفعہ تو نوبت یہاں تک پہنچی کہ آقائے خمینی نے کہا تھا: شریعتمداری کو اپنے گھر میں ہی قیدی بن کر رہنا ہو گا یہاں تک کہ اپنی بیماری میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے"!

آیت اللہ شریعتمداری سن 1982ء سے 23 فروری 1986ء تک علاج معالجے کی سہولت سے محروم نظر بندی کی حالت میں کینسر جیسی جان لیوا بیماری سے مقابلہ کرتے رہے جو کہ اس دوران کنٹرول سے باہر ہو چکی تھی۔ وفات سے صرف چالیس دن پہلے انہیں ہسپتال منتقل کیا گیا مگر اسوقت تک ان کی بیماری ناقابل علاج ہو چکی تھی اور یوں یہ سادات عالی قدر بے کسی کی حالت میں 3 اپریل 1986 کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ نام نہاد جمہوری اسلامی نے مرحوم کی وصیت کو نظر انداز کرتے ہوئے ان کی میت کو رات کے اندھیرے میں قم کے ایک گمنام قبرستان میں اس مظلومیت کے ساتھ دفن کر دیا کہ ان کے متعلقین، مقلدین اور چاہنے والوں کو ان کے تشیع جنازے میں شرکت کرنے، جنازے کو کندھا دینے اور ان پر نماز جنازہ پڑھا کر وصیت کے مطابق دفن کرنے تک کی اجازت نہ ملی۔

آیت اللہ شریعتمداری کے ساتھ ہونے والے ظلم و ناانصافی پر مبنی برتاؤ نے حوزہ ہائے علمیہ کے علماء و مجتہدین پر ایسی دہشت طاری کر دی کہ اکثریت نے چپ سادھ لینے اور اس معاملے سے خود دور رکھنے میں عافیت سمجھتے ہوئے خاموشی اختیار کر لی۔ **صرف دو مراجع تقلید نے اس سلسلے میں اپنا احتجاج ریکارڈ کرایا:**

ان دو قابل احترام شخصیات میں سے ایک مشہد کے ایک مرجع تقلید آیت اللہ سید حسن طباطبائی قمی تھے جو کہ اُس وقت خود بھی نظر بندی کی زندگی گزار رہے تھے۔ انہوں نے قم کے بلند پایہ عالم دین اور مشہور شخصیت امام موسیٰ صدر کے بھائی آیت اللہ رضا صدر کو مخاطب کر کے ایک خط لکھا جس میں اس واقعہ پر اپنے دکھ کا اظہار کیا تھا۔ یاد رہے کہ مرحوم شریعتمداری کی وصیت کے مطابق آیت اللہ رضا صدر کو ان کا نماز جنازہ پڑھانا تھا۔ خط میں انہوں نے لکھا تھا:

"محو حیرت ہوں کہ جمہوری اسلامی کہلانے والے ملک سے سویت یونین کے کافر، دشمن خدا اور منکر خدا لیڈر کے جنازے میں شرکت کے لئے تو باقاعدہ وفد بھیجا جاتا ہے، مگر اندرون ملک اور بیرون ملک کثیر تعداد میں مقلدین اور پیروکار رکھنے والے عالم دین اور مرجع تقلید جب رحلت پا جاتے ہیں تو اُس مرحوم کے جنازے کو لازمی عزت واحترام دیئے بنا دفنانے کے لئے لے جایا جاتا ہے اور جناب عالی کو مرحوم کی وصیت پر عمل کرنے سے روکتے ہوئے ان کا نماز جنازہ پڑھانے نہیں دیا جاتا"

آیت اللہ طباطبائی قمی مزید لکھتے ہیں:

"حد یہ کہ شرعی وظیفے پر عمل کرتے ہوئے مصیبت زدہ خاندان کو تسلی دینے اور متعلقین کے ساتھ اظہارِ ہمدردی کے لئے آپ جب مرحوم کے گھر تشریف لے جاتے ہیں تو نہایت بے شرمی کے ساتھ جناب والا کو گرفتار کر کے کچھ عرصے کے لئے جیل میں رکھا جاتا ہے۔"

آیت اللہ گلپائیگانی نے بھی رہبر انقلاب کو ایک ٹیلی گراف ارسال کیا جس میں آیت اللہ شریعتمداری کے ساتھ پیش آنے والی صورتحال کے متعلق اظہار تاسف کیا گیا تھا۔ انہوں نے آیت اللہ خمینی کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا تھا:

"جو کچھ حضرت عالی اور آیت اللہ شریعتمداری طاب ثراہ کے درمیان پیش آچکا ہے اُس کے بارے میں واقعی فیصلہ خداوند متعال اور ظاہر اُ تاریخ کے ہاتھ میں ہے۔۔۔ فی الحال تو ان کے انتقال کی افسوسناک خبر شائع ہو چکی ہے، ضروری سمجھا کہ اظہار پریشانی وتسلیت کے ساتھ مرحوم کے جنازے کو تشیع ولازمی احترامات کے بغیر اور غیر مناسب جگہ پر مخفیانہ طریقے سے دفن کئے جانے کے متعلق افسوس کا اظہار کروں۔ امید کرتا ہوں اب بھی حتی الامکان ان کی شخصیت اور مقامِ مرجعیت کے ساتھ ہونے والے توہین آمیز سلوک کی آپ بذات خود تلافی کریں گے۔"

اسی طرح ایران کے پہلے وزیر اعظم مرحوم مہندس بازرگان نے آیت اللہ مرعشی نجفی کو ایک ٹیلی گراف بھیجا جس میں مرحوم آیت اللہ شریعتمداری کے ساتھ ہونے والے ناروا برتاؤ کے بارے میں انہوں نے لکھا تھا:

"وہ مرحوم کئی سال آزادی سے محرومی، ملاقاتوں اور علاج و معالجے میں محدودیت کے بعد آخر کار داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے دار باقی کی طرف چل بسے۔ اُن کے جنازے کو اس حال میں دفن کیا گیا کہ اُن کے رشتہ دار، دوست و احباب اور مقلدین ان کے جنازے کو وداع کہہ سکے نہ ان کی وصیت کے مطابق کفن دفن کا انتظام کرکے ان پر نماز جنازہ پڑھ سکے اور نہ ہی ان کی وصیت کردہ جگہ پر دفن کر سکے۔ اور بعد میں بھی وہ مجلس ترحیم، ایصال ثواب اور ختم قرآن کی مجالس برپا کرنے سے محروم رہے۔"

کچھ عرصہ بعد آیت اللہ رضا صدر نے ایک کتابچہ بنام "زندان ولایت فقیہ میں" مرتب کیا جس میں انہوں نے مرحوم شریعتمداری کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں اور ناانصافیوں کا مختصر احوال لکھا ہے۔ انہوں نے آیت اللہ شریعتمداری پر ہونے والی سختیوں اور قریبی رشتہ داروں اور دوستوں سے ملنے پر پابندی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سوال کیا ہے کہ:

"ان کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا گیا؟ ان کی عیادت پر پابندی کیوں لگائی گئی؟ اگر لوگ ان کی عیادت کرتے تو کیا ہوتا؟ ایک بوڑھے شخص کو جو کہ صحیح طرح بات بھی نہیں کر سکتا تھا، عمر کے آخری حصے میں اپنے بیٹے سے ملنے اور دو لفظ بات کرنے کی اجازت کیوں نہیں دی گئی؟ اگر یہ بیٹا اپنے باپ سے تھوڑی دیر بات کر لیتا تو کیا ہوتا؟ کیا یہ عدلِ اسلامی ہے؟"

آیت اللہ صدر اپنی تحریر آگے بڑھاتے ہوئے مرحوم شریعتمداری کی وفات کے بعد سیکیورٹی اداروں کی جانب سے برتی جانے والی سختیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ایسا لگتا تھا کہ حکومت نے اس معاملے میں خاص قسم کے اقدامات پر عمل کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے جیسے: مرحوم کا جنازہ ان کے متعلقین کے حوالے نہ کیا جائے! تشیع جنازہ عمل میں نہ آنے پائے! مرحوم کی وصیت پر عمل نہ ہونے پائے! ان کے لئے مجلس ترحیم رکھنے کی اجازت نہ دی جائے! اگر کسی نے ان کے ایصال ثواب کے لئے مجلس عزاء کا اہتمام کیا تو اُسے گرفتار کرکے جیل بھیج دیا جائے! کسی کو یہ اجازت نہ دی جائے کہ وہ

مرحوم کے مصیبت زدہ خاندان کو تسلی دینے ان کے گھر جائے! ساتویں اور چہلم کو فاتحہ خوانی کی مجلس رکھنے کی اجازت نہ دی جائے! اور گھر سے گریہ وزاری کی آواز باہر نہ نکلنے پائے"!

آیت اللہ رضا صدر کو نہ صرف مرحوم کی وصیت کے مطابق نماز جنازہ پڑھانے کی اجازت نہ ملی بلکہ تشیع جنازہ کے لئے وہاں حاضر ہونے کے جرم میں گرفتار کر کے راہی زندان کر دیا گیا۔

احسان کا بدلہ۔۔۔!

ایسا لگتا تھا کہ مرحوم شریعتمداری کے جنازے، کفن و دفن اور مجلس ترحیم میں ہونے والی زیادتیوں سے آیت اللہ خمینی بے خبر نہیں تھے۔ آیت اللہ منتظری نے اپنی یادداشتوں میں اس حوالے سے پیش آنے والی مشکلات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے

"ایک رات امام کے ساتھ ہماری میٹنگ تھی اور اس میٹنگ میں آقائے ہاشمی (رفسنجانی)، آقائے خامنہ ای، آقائے موسوی اردبیلی (سربراہ عدلیہ)، وزیر اعظم آقائے (میر حسین) موسوی جیسے حکام بالا اور احمد آقا (فرزند خمینی) بھی موجود تھے۔ گفتگو کے دوران میں نے اس موضوع پر بات کرتے ہوئے کہا کہ: اگر آیت اللہ شریعتمداری کی وصیت کے مطابق آقائے صدر کو ان کا نماز جنازہ پڑھانے دیتے تو کیا مشکل پیش آتی اور آدھی رات کے اُس نماز جنازہ سے انقلاب کو کیا نقصان پہنچ سکتا تھا۔ اب جبکہ انہیں اس بات کی اجازت نہیں دی گئی تو آقائے صدر نے اس پورے ماجرا کو ستر صفحات پر مشتمل ایک رسالے کی شکل دی ہے۔ بہت ہی محترمانہ انداز میں لکھا ہے اور کسی کی توہین بھی نہیں کی ہے، لیکن یہ تحریر تاریخ کا حصہ بنے گی اور حضر تعالی کو محکوم کرے گی اور لوگ کہیں گے کہ آقائے خمینی نے اپنے رقیب مرجع تقلید کے نماز جنازے پر بھی پابندی لگا دی۔"

آقائے منتظری آگے لکھتے ہیں:

"جب میں نے یہ باتیں کیں تو امام بہت ناراض ہوئے اور آقائے شریعتمداری کے متعلق ایک سخت جملہ کہا جسے سن کر مجھے حیرت ہوئی۔ اُن کا رویہ بتا رہا تھا کہ انہیں آقائے شریعتمداری کے خلاف بہت بھڑکایا گیا ہے۔" (آیت اللہ منتظری کی یادداشتیں، ج 1، ص 483)

آیت اللہ شریعتمداری 81 سال کی عمر میں جبکہ وہ کینسر جیسی بیماری میں مبتلا تھے، علاج معالجے کی سہولت سے محروم بے حد ذہنی و نفسیاتی دباؤ کی حالت میں ولایت فقیہ کی قید و بند میں دنیائے فانی کو وداع کر گئے۔ مگر خود کو مقدس کہنے والے جمہوری اسلامی کے ماتھے پر یہ داغ چھوڑ گئے کہ دینِ رحمت اور عدلِ علیؑ کی نمائندگی کا دعویٰ کرنے والی حکومت نے اُس ضعیف العمر مرجع تقلید پر بھی رحم نہ کیا اور اسے بھی اپنی سیاست کی بھینٹ چڑھادی جس کی کوششوں سے رہبر انقلاب پھانسی کے پھندے تک پہنچنے سے بچ گئے تھے۔

البتہ آیت اللہ شریعتمداری ہی وہ واحد مرجع تقلید نہیں جنہیں اس نام نہاد مقدس نظام پر تنقید کرنے کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی ہے۔ انقلاب کے بعد جمہوری اسلامی کی غلط پالیسیوں اور غلط طرز عمل پر تنقید کرنے کے جرم میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے والے علماء و مراجع کی فہرست طویل ہے۔

اپنی غلط سیاستوں کے خلاف اٹھنے والی ہر آواز کو بری طرح کچلنا جمہوری اسلامی کی دیرینہ روایت رہی ہے خواہ وہ آواز آیت اللہ شریعتمداری جیسے شروع سے تنقید کرنے والے نظریاتی مخالف کی ہو یا دو دہائیوں سے زیادہ عرصے تک آقائے خامنہ ای کی پشت پر ایک محافظ کی طرح کھڑے رہنے والے آیت اللہ آذری قمی جیسے انقلابی کی ہو، خواہ وہ آیت اللہ خمینی کا زمانہ ہو یا آقائے خامنہ ای کا۔ مگر چونکہ آیت اللہ خمینی کی نسبت آقائے خامنہ ای کی حکومت کا دورانیہ زیادہ عرصے پر پھیلا ہوا ہے اس لئے ان کے دور میں سختیاں، پابندیاں، نظر بندیاں اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے والے علماء و مجتہدین کی فہرست بہت طویل ہے جس کی شرح و تفصیل کے لئے دفتروں کے دفتر درکار ہونگے۔ بقول شاعر:

گر بگویم شرح آن بیحد شود

مثنوی هفتاد مَن کاغذ شود

حوالہ جات:

1۔ "اسنادی از شکستہ شدن ناموس انقلاب" از دکتر محسن کدیور

2۔ "پاداشِ نامہ نجات بخش یا تاوان انتقاد از ولی فقیہ" از حمید صافی ویب سایت جرس

3۔ "آیت اللہ شریعتمداری، مرجع تقلیدی کہ در حصر در گذشت" از جلال یعقوبی ویب سایت بی بی سی فارسی

آیت اللہ شریعتمداری

خداوندانِ مکتب کے ظلم وجفا کی داستان

آیت اللہ خمینی کے نام اُن کے بڑے بھائی آیت اللہ مرتضیٰ پسندیدہ کا شکایت نامہ - ولی فقیہ کی حکومت میں پننپنے والی بدعنوانیوں اور ظلم وجفا کی روداد یسے تورشتے میں آیت اللہ مرتضیٰ پسندیدہ آیت اللہ خمینی کے بڑے بھائی تھے لیکن درحقیقت وہ حق پدری رکھتے تھے۔ چونکہ ان دونوں کے والد سید مصطفیٰ آقائے خمینی کے بچپنے کے ایام میں ہی اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے تھے اس لئے آقائے مرتضیٰ پسندیدہ نے باپ بن کر آقائے خمینی کی تربیت ونگہداشت کی۔ انقلاب سے پہلے آقائے خمینی آیت اللہ پسندیدہ کے شاگردوں میں سے تھے۔

نام نہاد اسلامی انقلاب کے بعد حالات بدل گئے چھوٹے بھائی ایک مملکت کے تام الاختیار حاکم بن گئے اور یہیں سے شاید دونوں بھائیوں کے درمیان جسمانی اور فکری فاصلے بڑھنے لگے۔ آقائے خمینی ہر روز انتقام جوئی کینہ توزی اور خود پسندی کے دلدل میں پھنستے گئے لیکن آیت اللہ پسندیدہ نے نہ صرف خود کو کافی حد تک ان معاملات سے دور رکھا بلکہ چھوٹے بھائی کو نصیحت وتنبیہ بھی کرتے رہے مگر ایک مطلق العنان بادشاہ کب کس کی بات سنتا ہے۔ بقول مولانا رومی: بر سماع راست ہر کس چیر نیست (ہر کسی کے کان کا سوراخ سالم نہیں ہوتا)۔ ذیل میں آیت اللہ پسندیدہ کا انہی نصیحتوں اور تنبیہوں پر مشتمل ایک خط کا اردو ترجمہ پیش کرتے ہیں۔

خداوندانِ مکتب کے ظلم وجفا کی داستان!

ہر طرف سے آہ ونالوں کی آواز سے کان بہرے ہوئے جارہے ہیں اور عمامہ پوش حکام کے لئے لوگوں کے دلوں سے نکلنے والی بددعاؤں نے پورے عالم کو گھیر رکھا ہے۔ جو چیزیں ہم ہر روز دیکھتے ہیں اور جو خبریں ہر روز ہمارے کانوں تک پہنچتی ہیں ان سے ہویدا ہے کہ لوگوں کے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھے ہوئے ہیں اور وہ ماضی کے حالات کی واپسی کے لئے دعائیں کر رہے ہیں۔ کیا ان آہ ونالوں کی صدائیں آپ تک بھی پہنچ رہی ہیں؟ یا ماشاء اللہ سے آپ کے گرد بندھے ہوئے حصار کی وجہ سے آپ کی حکایت بھی اس چرواہے کے مانند ہے جس کے ریوڑ پر بھیڑیا حملہ کرتا ہے لیکن چرواہا بے خبری کے عالم میں اپنی پسندیدہ بھیڑ کا دودھ دوہنے میں مصروف

رہتا ہے اور اپنی جگہ سے ہلنا بھی پسند نہیں کرتا، یہاں تک کہ وہ بھیڑیا چرواہے تک بھی پہنچ جاتا ہے اور پہلے اُس کی پسندیدہ بکری کو اپنے پنجوں سے لہولہان کرتا ہے اور بعد میں خود اُس کو۔

جس دن خمین میں جمہوری (اسلامی) پارٹی کے حکم اور تمہید و سازش سے، کہ جس کے متعلق میرا نہیں خیال کہ آپ اس سے بے خبر ہونگے، میرے سر سے عمامہ کھینچا گیا اور میرے ساتھ کسی قسم کی اہانت و تحقیر سے گریز نہیں کیا گیا۔ میں نے ذرا بھی شکوہ نہ کیا کہ اپنے جد امجد کے حالات میری نظروں کے سامنے تھے۔ جس دن اُس مسکین سید کو، جو صرف خدمت کا ارادہ رکھتا تھا اور آپ نے خود اُس کے بارے میں سو بار کہا تھا کہ مجھے اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ عزیز ہے، اِس بے آبروئی کے ساتھ صدارت کے عہدے سے برطرف کر دیا اور ایک بدعاقبت، بدبخت شخص کو، جو کہ ایک کاروانسرائے چلانے کا بھی اہل نہیں تھا، اس عظیم مملکت کی صدارت کا عہدہ سونپ دیا، تو میں نے آپ سے کہا تھا کہ یہ شیاطین کچھ اور ارادے رکھتے ہیں اور اس کٹھ پتلی کو اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔

لیکن آپ نے میری صلح آمیز باتوں پر کان دھرنے کی بجائے ترش روئی کا مظاہرہ کیا اور اپنے بڑے بھائی کی حرمت کا بھی پاس نہ کیا۔ میں نے عقیل ابن ابی طالب کی طرح مال و جاہ و مقام کا مطالبہ تو نہیں کیا تھا کہ آپ نے میرے دل کو زخمی و داغدار کرنے کا حکم دیا اور اس بڑھاپے میں میرے ساتھ ایسا توہین آمیز سلوک کیا گیا جس کی جراَت شاہ کے زمانے میں بھی کوئی نہیں کر سکتا تھا۔

جس دن آپ نے حکم دیا کہ ووٹ کے تمام صندوقوں کو علی آقا خامنہ ای کے نام کھولے جائیں، میں اور دو تین ہمدرد لوگوں نے، کہ جن میں سے کم از کم ایک فرد یعنی شیخ علی آقا تہرانی، جو کہ بیس سال تک آپ کے شاگردِ خاص اور موردِ شفقت رہا تھا، آپ کو لکھا کہ یہ انتخاب ایران کو برباد کر دے گا۔ آپ نے ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیا۔ اب آپ وہ کچھ دیکھ رہے ہیں جو قابلِ دید نہیں۔

اس قدر خون بہایا گیا، اتنا ظلم و ستم کیا گیا کہ ان کو یاد کر کے میں لرز جاتا ہوں کہ مبادا اس خون کا ایک قطرہ آپ کے بھائی ہونے کی حیثیت سے میرے دامن کو نہ پکڑ لے۔ صرف اس وجہ سے کہ آپ نے اسلام اور ایران کے ہمدرد لوگوں کی بات سننے کی بجائے شیاطین کی بات پر توجہ دی۔

آپ کس طرح مسندِ ولایت پر براجمان ہیں جبکہ رفسنجانی، مشکینی، صانعی جیسے بدنام لوگوں اور اُس بدکار شیخ گیلانی و موسوی تبریزی جیسے جلادوں اور درجنوں و درجنوں خبیث اور بدعہد لوگوں کو طاقت و مقام عنایت کرتے ہو۔ درحالیکہ ساداتِ عالی قدر، سبطِ افتخار ازلی تشیع، حاج آقا حسن قمی، حاج آقا حسین قمی طاب ثراہ اور آقائے حاج سید کاظم شریعتمداری، شیعیانِ مولا علی کے برحق مرجع کو اُس حقارت کے ساتھ نظربند کرتے ہو اور ان سے مرجعیت چھین لیتے ہو، یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے بیس سال پہلے میرے اشک و نالوں کی وجہ سے آپ کی مرجعیت پر مہر تصدیق ثبت کر کے شاہ کو بھیجا تھا تا کہ آپ اہانت آمیز برتاؤ اور اذیت و آزار سے بچ جائیں۔

آپ خود بہتر جانتے ہیں کہ میں شروع ہی سے ملکی اور فوجی امور میں علماء کی مداخلت کا مخالف تھا اور آپ سے کہا تھا کہ جب ہم حکومتی معاملات کے ذمہ دار بن جائیں اور اگر ہماری کارکردگی عوام کی خواہشات کے مطابق نہ ہو تو تمام نفرتوں کا رخ ہماری طرف مڑے گا اور سرانجام اسلام کو نقصان پہنچے گا۔ کیا آج ہمیں اسی صورتحال کا سامنا نہیں؟ یہ عوام جو اسلام کی راہ میں اپنی جان سے بھی گزرنے کو تیار رہتے تھے، اور شاہ کے زمانے میں ماڈرن لوگ، کاروباری لوگ، طلباء، مرد اور عورتیں دینی شعائر کا احترام کرتے تھے، آج نہ دین کی طرف انہیں کوئی رغبت ہے اور نہ ہی شعائر دینی کے لئے ان کی نظر میں کوئی قدر و قیمت باقی رہ گئی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر دین یہی ہے جو اس جمہوری اسلامی کے ذمہ داران نے لاگو کیا ہوا ہے تو بہتر ہے کہ ہم اس دین سے کافر ہو جائیں اور مسلمان کا نام ہی ہم سے ہٹ جائے۔

بعض نااہل منبر پڑھنے والے مقررین اور مدرسین کی غلط سیاستوں کی وجہ سے آج ایران دنیا میں ذلیل و خوار ہو چکا ہے، یہاں تک کہ آج کوئی بھی ہمارا دوست نہیں۔ کچھ عرصہ پہلے میں پاکستان سے آئے ہوئے چند علماء

سے گفتگو کر رہا تھا، وہ ایران کی حالت زار پر گریہ کناں تھے اور کہہ رہے تھے کہ انقلاب سے پہلے ہمارے ملک میں لوگ شیعہ کی حیثیت و مقام کے قائل تھے، لیکن اب جیسے ہی ہم شیعہ کا نام لیتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بلاشک ایران جیسا! آقائے حاج آقا صدر (بنی صدر) مجھ سے کہہ رہے تھے کہ لبنان کے لوگ، جو آقا موسیٰ صدر کے کھو جانے کے بعد ایران سے کچھ توقعات وابستہ کئے ہوئے تھے، آج ہم سے بیزار ہو چکے ہیں۔ یہ احمقانہ بات نہیں کہ ہم اسرائیل سے اسلحہ خریدیں اور پھر اسرائیل سے جنگ کرنے اور جنوبی لبنان کی آزادی کی بات کریں؟ میں (ایران عراق) جنگ اور اس کے مسائل کے بارے میں بات نہیں کروں گا کہ اس مثنوی کے لئے ستر من کاغذ درکار ہے، صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ (اعلیٰ حکام کے) بعض فرزندان و نور چشمان، جنگ کے نام پر اور جنگ زدگان کی مدد کے نام پر مسلمانوں کے بیت المال پر کس طرح ہاتھ صاف کر چکے ہیں۔

آپ سے ملاقات کے لئے وقت مانگتے ہوئے مجھے تین مہینے سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے، لیکن آپ کے دفتر والے مسلسل کہتے ہیں کہ آپ مصروف ہیں اور وقت نہیں۔ دوسری طرف دیکھتا ہوں کہ ہر روز فلاں گاؤں کے مُلّا اور ڈمکاں قصبے کے قاضی کو شرف باریابی بخشا جا رہا ہے۔ یقیناً ان لوگوں کے لبوں پر آپ کی مدح و ثنا کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہو گی اور میری بدبختی یہ کہ شاید چونکہ خداوند تبارک نے مجھے مدح سرائی کی زبان نہیں دی ہے، اپنے بھائی کی دیدار سے بھی محروم رہتا ہوں۔

مجھے معلوم ہے کہ اس خط کو ارسال کرنے کے بعد میری سختیوں اور پریشانیوں میں اضافہ ہو جائے گا لیکن چونکہ کچھ دنوں سے مجھے یہ احساس ہو رہا ہے کہ حق تعالیٰ میری آرزو پوری کرنے والا ہے اور اس جہنم فانی کو چھوڑنے کی اجازت مرحمت فرمائے گا، لہذا وصیت یا نصیحت یا خدا حافظی کے عنوان سے ایک بھائی نے اپنے بھائی کے لئے یہ چند جملے لکھے ہیں۔

آپ وصیت نامہ لکھتے ہو اور اپنے بعد جانشین تعین کرتے ہو، تو پھر اس حکومت کا نام جمہوری اسلامی کی بجائے سلطنتِ اسلامی کیوں نہیں رکھ دیتے؟ کیا پیغمبر اکرمؐ نے وصیت نامہ لکھ کر کسی کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا؟ سوائے اس کے کہ مولا علیؑ کو لوگوں کے سامنے پیش کر دیا تھا جو کہ معصوم اور منتخبِ الٰہی تھے۔ آپ کے آس

پاس میں کونسا شخص ایسا ہے جو معصوم ہو؟ شیخ علی منتظری جو کہ ایک سادہ مدرس کے برابر فہم و درک نہیں رکھتا؟ شیخ علی مشکینی کہ جس کی کراہتِ نفس اس کی شکل سے ہی مکمل طور پر عیاں ہے؟ جی ہاں کونسے معصوم کو دیکھا ہے آپ نے چودہ سو سالوں سے یہ عوام تھے جو تشخیص دیتے تھے کہ کونسا مرجع تقلید، اعلم ہے اور کونسے علماء قابلِ احترام و اعتماد۔ اب صورتحال یہ ہے کہ اخبارات ایک شیخ کو ایت اللہ العظمیٰ بناتے ہیں تو دوسرے کو افقہ الفقہاء! وہ جلاد شیخ گیلانی آیت اللہ بن جاتا ہے اور دستہ دستہ ثقت الاسلام اور حجت الاسلام حکومت کے کارخانوں سے باہر آتے ہیں۔ اور نام بھی رکھا ہوا ہے جمہوری اسلامی اور مسرور ہو کہ زمین پر حکم خدا نافذ کر چکے ہو!

خوش قسمت تھے وہ لوگ جو اُنہی ابتدائی دنوں میں ہی راہی دیار عدم ہوئے اور یہ دن دیکھنے کے لئے زندہ نہ رہے۔ میں بھی جلد یا بدیر جانے والا ہوں، میری وحشت صرف آپ کے لئے ہے۔ خداوندِ متعال سب کو راہِ راست کی طرف ہدایت دے۔ 25 شوال 1403 ہجری قمری

قم۔ مرتضی پسندیدہ

آیت اللہ سید رضا زنجانی اور تکفیرِ خمینی؟

آقا سید رضا زنجانی اور آقا سید روح اللہ خمینی دونوں حوزہ علمیہ قم کے بانی جناب آقائے شیخ عبد الکریم حائری یزدی کے شاگرد تھے۔ دونوں فقیہوں نے شاہنشاہی آمریت اور اغیار کی بالادستی کا مقابلہ کیا ہے، لیکن دونوں کا اندازِ مقابلہ ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھا۔

آقا سید رضا زنجانی نے کبھی وجوہات شرعیہ سے فائدہ نہیں اٹھایا، علاوہ ازیں وہ ولایت فقیہ، دینی حکومت اور سرکاری عہدوں میں مذہبی پیشواؤں کی مداخلت کے سخت مخالف تھے۔

وہ اپنے استاد آقائے شیخ عبد الکریم کے مقرب ترین شاگرد، ڈاکٹر محمد مصدق کے نزدیک ترین روحانی پیشوا، تحریک قومی دفاع کے بانی، قومی محاذ کے نمایاں ترین حامی مذہبی پیشوا اور آقائے خمینی پر تنقید کرنے والے علماء میں سرگرم ترین عالم دین میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

سید رضا زنجانی نے ڈاکٹر مصدق کے بارے میں آقائے خمینی کے اس بیان پر کہ "وہ مسلمان نہیں" ان الفاظ میں اپنا احتجاج ریکارڈ کرایا": وہ مرحوم بلاشک ایک معتقد مسلمان تھے اور اسلام کو اپنے سیاسی وذاتی مقاصد کے حصول اور رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے استعمال کرنے والے کسی آلے سے بالاتر سمجھتے تھے۔ ان کی کابینہ میں ان سے پہلے اور بعد میں آنے والا کونسا وزیر اعظم اور کونسے وزراء ان سے زیادہ پکے مسلمان تھے؟ وہ ایک سیاسی شخصیت تھے نہ کہ مذہب کی تبلیغ کرنے والا ایک مولوی۔"

زنجانی کے مطمع نظر جو حکومت تھی وہ عوامی یا قانونی یا جمہوری حکومت تھی نہ کہ مذہبی حکومت۔ زنجانی عین اپنے استاد شیخ عبد الکیم حائری کی طرح فقیہ کی سیاسی ولایت کے مکمل مخالف تھے اور فقیہ کے لئے جن اختیارات کو صحیح سمجھتے تھے وہ فقط امورِ حسبیہ تھے (یعنی سرپرست سے فاقد اہم امور جیسے بے آسرا بچوں کی سرپرستی اور اوقافِ عامہ وغیرہ) وہ بھی قدرِ متیقن (صرف ایسی جگہ جہاں یقین حاصل ہو کہ سرپرست کے بغیر حق ضائع ہو جائے گا۔)

آیت اللہ سید رضا زنجانی آقائے خمینی کے طرزِ عمل اور طرزِ فکر دونوں کے شدید مخالفین میں سے تھے۔ ایران کے آئین میں سرکاری مذہب داخل کرنے کی قرارداد پر انہیں نے نہایت بے باکی سے تنقید کی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ آئین میں ایسی کسی ترمیم سے شیعیت کو کسی قسم کا فائدہ نہیں پہنچے گا۔

ان کی یہ بے باکی اور نڈرپن حکومت کو پسند نہیں آتی اور 1985 میں سپریم جوڈیشری کونسل کی جانب سے ایک کتاب شائع کی جاتی ہے جس میں کسی قسم کے تحریری و تقریری ثبوت کے بغیر سید رضا زنجانی پر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ وہ آقائے خمینی کی تکفیر کرنا چاہتے تھے! افسوس کہ عدالتی حکام نے ہر قسم کی تنقید کو تکفیر فرض کر رکھا ہے۔

سید رضا زنجانی نے 8 جون 1981 کے اپنے ایک اعلانیہ میں، جو کہ آج تک کسی بھی ایرانی جریدے یا اخبار میں شائع نہ ہو سکا، نام نہاد جمہوری اسلامی کو آئینہ دکھاتے ہوئے لکھا ہے": موجودہ حکومت نے، اپنے سیاسی اندھے پن، اسلامی اصولوں اور اپنے وضع کردہ ملکی آئین سے غفلت، اندرونی اختلافات اور انسانی اقدار و شرعی آداب کی عدم رعایت کی وجہ سے، ملک و قوم کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کر دیا ہے۔"

"ایسا لگتا ہے کہ حکومت کو کسی بھی وسیلے سے اور کسی بھی قیمت پر صرف اپنی بقا اور کرسی بچانے کی فکر ہے۔ عمل کے میدان میں اصول و اقدار کی رعایت کئے بغیر صرف اسلام کے مبارک لفظ کو کھوکھلا کر کے عام آدمی کو ڈرانے، دھمکانے، قتل و غارت گری اور غیر شرعی و غیر عرفی لوٹ مار کرنے، توہین و تذلیل کرنے اور ضدِ انقلاب کا الزام لگانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔"

زنجانی نے شروع میں ہی دو خطرات کو بھانپ لیا تھا: ایک عراق کے ساتھ جنگ میں شکست اور دوسرا پریشر گروپوں کا وجود میں آنا۔ وہ ایران عراق جنگ کے عوامل و اسباب میں "انقلاب کو ایکسپورٹ" کرنے والے نعرے کی ایک سیاسی غلطی کے طور پر نشاندہی کرتے ہیں۔ (آیت اللہ خمینی نے کہا تھا کہ ہم اس انقلاب کو ہمسایہ ملکوں میں بھی ایکسپورٹ کریں گے۔) دوسرا غیر اعلانیہ طور پر حکومتی اداروں کی طرف سے حمایت یافتہ "حزب اللہ" جیسے گروپوں کا عوام کے جان و مال اور حیثیت و آزادی" پر ناجائز گرفت کا خطرہ۔

آقائے خمینی سے دس سال پہلے امریکا کے ساتھ ٹکر لینے والے سید رضا زنجانی کے تشیع جنازے میں بعض ناپاک زبانوں کا "مردہ باد امریکا" کا نعرہ لگانا کتنی افسوس ناک بات ہے۔ اس عالم ربانی کے جنازے کو "مردہ باد منافق" کے نعروں کے ساتھ راہی قبرستان کرنے والے حزب اللہی دراصل شیطان کے آلہ کار تھے مگر وہ خود جانتے نہیں تھے۔ اس پست قسم کے لوگوں کو پالنے والی دنیا پر تُف!

آقائے خمینی خود سے سالہا پہلے استعمار کے ساتھ مبارزہ شروع کرنے والے مردِ مجاہد کی وفات پر اپنے کینے کا اظہار کئے بنا نہ رہ سکے۔ انہوں نے نہ تو مرحوم کے خاندان کو تسلیت کہا اور نہ ہی فاتحہ خوانی کی مجلس برپا کی۔ یہاں یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ آقائے خمینی کے مقابلے میں سید رضا زنجانی کا فکر و عمل علوی سیرت سے نزدیک تر ہے۔

باتشکر از ویب سایت فارسی دکتر محسن کدیور

آیت اللہ سید رضا زنجانی

مرجعیت شیعہ کی پامالی

آیت اللہ خمینی کے پیروکار علماء نے جذبات کے زیر اثر انتظامی امور میں مہارت کو فقہی دانش پر سبقت دیتے ہوئے ایک جزوی مجتہد کو ولی فقیہ کا جانشین منتخب کیا جس کے لئے اجتہادِ مطلق بالفعل کا ہونا لازمی تھا۔

مرجعیتِ شیعہ کی پامالی

وض۔احت ط۔لبی

از

مقام رہبری حجت الاسلام والمسلمین خامنہ ای

مصنف، محقق، فلسفی، استاد جامعہ، دینی مفکر اور مجتہد آقائے ڈاکٹر محسن کدیوَر کا شمار حوزہ علمیہ قم کے بہترین اور قابل ترین علماء میں ہوتا ہے۔ انہوں نے حوزہ علمیہ قم سے درجہ اجتہاد اور تربیتِ مدرس یونیورسٹی تہران سے الٰہیات اور فلسفہ میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔ حال حاضر میں وہ امریکہ کی ریاست شمالی کیرولائنا کے مشہور اور معتبر ڈیوک یونیورسٹی میں علوم دینی کے مدعو پروفیسر کے طور پر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اب تک مختلف موضوعات پر ان کی متعدد کتابیں، تحقیقی مقالے اور آرٹیکل منظر عام پر آچکے ہیں جن کا مقصد زیادہ تر اسلام کے رحیمانہ اور حقوقِ انسانی پر مبنی پہلوؤں کو اجاگر کرنا ہے۔

اپنی تازہ ترین کتاب بنام "مرجعیتِ شیعہ کی پامالی" میں انہوں نے آیت اللہ سید علی خامنہ ای کی مرجعیت کے بارے میں بحث کا ایک باب کھولا ہے۔ اپنی کتاب کا نام اپنے استاد آیت اللہ منتظری کی سن 1376 شمسی کی اس مشہور تقریر سے لیا ہے جس میں انہوں نے آقائے خامنہ ای پر چند بنیادی اور لاجواب قسم کے اعتراضات کر کے ان کی مرجعیت کو زیر سوال قرار دیا تھا۔ یاد رہے کہ اس تقریر کے بعد حکومت کے حامیوں نے آیت اللہ منتظری کے گھر، دفتر اور درسگاہ پر حملہ کر کے شدید توڑ پھوڑ، قرآن اور مذہبی کتابوں کی بے حرمتی اور طوفان بد تمیزی کا بازار گرم کیا تھا اور یہیں سے ان کی چھ سالہ نظر بندی کا آغاز ہوا۔

آقائے محسن کدیور کی کتاب کا موضوع ان شواہد اور اسناد کی چھان بین کرنا ہے جو جمہوری اسلامی ایران کے دوسرے رہبر (آیت اللہ خامنہ ای) کے توسط سے مقامِ مرجعیت حاصل کرنے کے لئے لازم مدارج کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ انہوں نے اس بات پر تاکید کی ہے کہ اس کتاب میں رہبر کی صرف "دینی مرجعیت" کے پہلو کو زیر تحقیق قرار دی گئی ہے۔

وہ معتقد ہیں کہ ان کو رہبری اور مرجعیت دونوں عہدے جمہوری اسلامی ایران کے ایک شاہ کلید اصول "نظام کی حفاظت تمام واجبات سے واجب تر ہے" کے ذریعے حاصل ہوئے ہیں۔ یہ اصول جمہوری اسلامی ایران کے بانی آیت اللہ خمینی کے ایک قول پر مبنی ہے جس میں انہوں نے کہا تھا کہ "نظام کی حفاظت کی خاطر اگر لازم ہوا تو احکام اسلامی کو بھی معطل کیا جا سکتا ہے"۔

مجموعاً چار حصوں پر مشتمل یہ کتاب آیت اللہ خامنہ ای کی نوجوانی سے شروع ہو کر موجودہ دور پر ختم ہوتی ہے، دوسرے لفظوں میں، یہ کتاب چار حصوں میں اُن کی حجت الاسلامی کے دور سے شروع ہو کر اُن کے معتقدین کی طرف سے امام خامنہ ای کہلوانے کے دور تک کا احاطہ کرتی ہے۔ ان چار حصوں کے عنوانات حسب ذیل ہیں: (1) خطیبِ دانشمند: حجت الاسلام خامنہ ای (2) مقام معظم رہبری: آیت اللہ خامنہ ای (3) مرجع جائز التقلید: آیت اللہ العظمیٰ خامنہ ای (4) مرجعیت اعلیٰ کا جنون: امام خامنہ ای۔

کتاب کی ابتدا میں چند سوالات پیش کئے گئے ہیں جن کے متعلق مصنف کا کہنا ہے کہ انہوں نے ان سوالات کا جواب پانے کے لئے اپنی اس تحقیق کا آغاز کیا ہے۔ ان کی نظر میں رہبر کی حجت الاسلامی سے مرجع اعلیٰ تک بے مثال سرعت کے ساتھ ارتقاء پانے کے عمل نے بعض سوالات اور شبہات کو جنم دیا ہے۔ مثلاً اس قسم کے سوالات کہ درس خارج اصول و فقہ کے حوالے سے رہبر کی تحصیل و تدریس کا سلسلہ کیسا تھا، اصول اور فقہ کے میدانوں میں ان کی کیا تالیفات ہیں، مقلدین سے وجوہاتِ شرعیہ کب سے اور کس بنا پر لینا شروع کیا، وہ کب سے مرجعیت کا خواب دیکھنے لگے اور انہوں نے کب سے فتویٰ دینا شروع کیا۔

آخر میں اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ آیت اللہ خمینی اپنی عمر کے آخری ایام میں اس بات کے معتقد تھے کہ رہبر کے لئے مرجع تقلید ہونا لازمی نہیں اور آئین جمہوری اسلامی پر نظر ثانی اور ترمیم کرنے کی ایک وجہ یہی تھی، اس کے باوجود کیوں جناب آقائے خامنہ ای اور آیت اللہ خمینی کے اکثر شاگردوں نے ان کے اس نظریئے کو ذرہ برابر اہمیت نہ دیتے ہوئے دوبارہ رہبری اور سیاسی مرجعیت کے لازم و ملزوم ہونے پر اکٹھے ہو گئے۔

(نوٹ برائے تبدیلی تاریخ: سال انقلاب ایران سن 1357 شمسی بمطابق 1979ء ہے اور 14 خرداد، سن 1368 شمسی بمطابق 4 جون 1989ء کو آقائے خامنہ ای مقام رہبری پر جلوہ افروز ہوئے)۔

خطیب دانشمند

مصنفِ کتاب، آقائے خامنہ کی جوانی کے ایام کو یاد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اُن ایام میں اُن مصروفیات کچھ اس قسم کی تھیں کہ زیادہ تر وقت سیاسی جلسوں سے خطاب کرنے اور دیگر سیاسی سرگرمیوں میں گزرتا تھا اور عملی طور پر اُن کے پاس اتنا وقت نہیں بچتا تھا کہ حوزہ علمیہ کے روایتی طریقوں کے مطابق اپنی تحصیلات جاری رکھتا۔ اس بات کو مدٗ نظر رکھتے ہوئے کہ انقلاب کی کامیابی تک کئی بار جیل جانے، شہر بدر ہونے، روپوشی کی زندگی گزارنے اور ساتھ میں دوسرے مشغلوں جیسے رومان، شعر و شاعری، عربی معاصر ادبیات کے مطالعہ کے علاوہ بعض کتابوں کا ترجمہ کرنے، منبری کے فرائض انجام دینے، تفسیر قرآن و نہج البلاغہ کے پروگراموں جیسی مصروفیات کی وجہ سے آقائے خامنہ ای زیادہ تر انقلابی تقریروں اور معارف اسلامی کو جدید انداز میں بیان کرنے والے لیکچروں کے لئے شہرت رکھتے تھے۔ اس پورے عرصے میں صرف دس سال کا دورانیہ ایسا گزرا ہے جس میں فقہ کی سطوح عالی کی تدریس کا انہیں موقع ملا ہے مگر مذکورہ بالا مسائل اور مصروفیات کی بنا پر دروس عدم تسلسل کا شکار رہتا تھا۔

اسی طرح، انقلاب کی کامیابی تک وہ نہ صرف اجتہاد کے دعویدار نہیں تھے بلکہ خود کو آیت اللہ خمینی کا مقلد اور کچھ دیگر موارد میں آیت اللہ منتظری کا مقلد کہتے تھے۔ درس خارج میں شرکت کے حوالے سے یہ بات قابل

ذکر ہے کہ مشہد اور قم دونوں کے ادوار کو ملا کر بمشکل 6 سے 7 سال کا عرصہ بنتا ہے جس میں وہ خالصتاً فقہ و اصول کے دروس میں مشغول رہے ہیں۔ البتہ انہیں اپنے کسی بھی استاد کی جانب سے اجتہاد کا اجازت نامہ نہیں ملا ہے۔۔۔ اور سن 1357 شمسی تک (سوائے 40 صفحات پر مشتمل علم رجال کے موضوع پر ایک مقالہ کے) کوئی بھی فقہی و اصولی تصنیف ان کی طرف سے شائع نہیں ہوئی ہے۔ نتیجہ یہ کہ ان کی بحیثیت رہبر جمہوری اسلامی ایران منتخب ہونے، یعنی ماہِ خرداد سن 1368 شمسی تک، آقائے کدیور کے خیال میں وہ قطعاً مجتہد نہیں تھے۔

مصنف نے دو ایسے موقعوں کی طرف اشارہ کیا ہے جہاں آیت اللہ خمینی نے آقائے خامنہ ای پر فقہی تنقید کی جبکہ وہ اس زمانے میں جمہوری اسلامی ایران کے صدر تھے۔ آقائے کدیور لکھتے ہیں کہ آقائے خامنہ ای سن 1366 شمسی کے دے نامی مہینے میں اپنے جمعہ کے خطبے میں آیت اللہ خمینی کے نظریئے کے مطابق ولایت مطلقہ فقیہ کی یوں وضاحت کرتے ہیں۔ "لازمی شروط کی برقراری کے لئے حکومتِ اسلامی کے اقدامات کا مطلب اسلام کے مسلمہ قوانین و احکام کو معطل کرنا نہیں۔۔۔ امام کا یہ فرمان کہ حکومت کارفرما پر ہر قسم کے شرائط لاگو کر سکتی ہے، اس کا مطلب ہر شرط نہیں بلکہ وہ شرط ہے جو اسلام کے مسلمہ احکام کی چار دیواری میں آتی ہے، نہ کہ اس سے باہر۔"

آیت اللہ خمینی نے اس وضاحت کے بارے میں عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "جناب عالی کے بیانات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ حکومت کو ولایت مطلقہ کے معنوں میں، جو کہ خدا کی جانب سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کی گئی ہے اور احکام الٰہی میں نہایت اہمیت کا حامل ہے اور تمام احکام شرعیہ پر اسے برتری حاصل ہے، صحیح نہیں سمجھتے۔ آپ کی طرف سے میرے قول کی یہ تعبیر کہ میں نے کہا ہے حکومت احکام الٰہی کے دائرے میں بااختیار ہے، مکمل طور پر میرے بیان کے برخلاف ہے۔ اگر حکومت کے اختیارات احکام فرعیہ الٰہیہ کی چار دیواری کے اندر ہے تو نبی اسلام صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو تفویض ہونے والی حکومت الٰہیہ اور ولایت مطلقہ ایک بے معنی اور بیہودہ امر ہونا چاہیئے۔"

آقائے محسن کدیور معتقد ہیں کہ جو کچھ آقائے خامنہ ای نے کہا تھا ایک صائب اور "فقیہ کی ولایت عامہ" کے اصول پر مبنی بیان ہے۔ ان کی یہ رائے اُن کے دو استادوں آیت اللہ میلانی اور آیت اللہ حائری یزدی کے فقہی نظریات پر مبنی تھی مگر ان کے دوسرے استاد آیت اللہ خمینی کے نظریہ ولایت فقیہ کے برخلاف تھی۔ اپنے موقف پر قائم رہتے ہوئے اس کا دفاع کرنے کی بجائے آقائے خامنہ ای فوراً پیچھے ہٹ گئے اور آیت اللہ خمینی کے موقف کو مسلماتِ دینی کا جزو مانتے ہوئے انہوں نے اقرار کیا کہ وہ مکمل طور پر اُن سے متفق ہیں۔ یہ ایک مجتہد کا شیوۂ عمل نہیں، ایک مجتہد اپنے استاد کے نظریئے کا احترام کرتے ہوئے اپنی فقہی رائے کا دفاع کرتا ہے۔

دوسرے واقعے کا تعلق کتاب آیاتِ شیطانی کے مصنف سلمان رشدی سے ہے جب آیت اللہ خمینی نے سلمان رشدی کے خلاف کفر کا فتویٰ جاری کرتے ہوئے اُسے واجب القتل قرار دیا۔ آقائے خامنہ ای نے سن 1367 شمسی میں اپنے ایک خطبے میں رہبر انقلاب آیت اللہ خمینی کے فتویٰ کی حمایت کرتے ہوئے کہا۔ "سلمان رشدی ممکن ہے توبہ کرے، کتاب لکھے، مسلمانان جہاں اور امام امت سے معافی مانگے اور اس کتاب سے اپنے تعلق کو جھٹلا دے، ایسی صورت میں ممکن ہے کہ لوگ اسے معاف کر دیں"۔

آقائے کدیور کا کہنا ہے کہ جب اس اس نکتہ نظر کو، جو کہ اصولاً ایک فقہی نکتہ نظر ہونا چاہئے، بین الاقوامی میڈیا میں پذیرائی ملی تو آیت اللہ خمینی ایک مرتبہ پھر اس کے خلاف بیانیہ دیتے ہوئے میدانِ مخالفت میں کود پڑے اور آقائے خامنہ ای بارِ دیگر اپنے موقف سے پیچھے ہٹ گئے۔

آقائے کدیور اس بارے میں لکھتے ہیں کہ "آقائے خامنہ ای کا یہ نکتہ نظر دو حالتوں سے خارج نہیں: پہلی یہ کہ انہوں نے آیت اللہ خمینی کا فتویٰ نقل کیا ہے جو کہ امامیہ کا مشہور قول ہے، دوسری یہ کہ انہوں نے اپنی ذاتی رائے بیان کی ہے۔ پہلی حالت میں انہوں نے یقیناً خطا کیا ہے کیونکہ آیت اللہ خمینی کی رائے یہ ہے کہ مرتد فطری کی توبہ قابل قبول نہیں۔ دوسری حالت میں انہیں چاہیئے تھا کہ اپنے نکتہ نظر کے حق میں دلیل قائم کرتا اور اپنے فتویٰ کا، جو کہ ایک پسندیدہ سخن ہو سکتی تھی، دفاع کرتا۔ البتہ امام جمعہ کی حیثیت سے آقائے

خامنہ ای کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ ولی فقیہ کی رائے یا قولِ مشہور امامیہ کو بیان کرے نہ کہ اپنی ذاتی رائے۔ آقائے خامنہ ای خود کو آیت اللہ خمینی کے فتویٰ کو لوگوں کے لئے بیان کرنے کا پابند سمجھتا تھا اور اس حوالے سے وہ شروع سے اپنی کوئی رائے ہی نہیں رکھتا تھا کہ وہ اس کا دفاع کرتا۔"

آقائے کدیور لکھتے ہیں کہ "وہ شخص کیسے مجتہد کہلایا جاسکتا ہے جو رہبری کے لئے منتخب ہونے سے ساڑھے تین ماہ پہلے یہ تک نہیں جانتا تھا کہ فقہ امامیہ کا مشہور قول یا ولی فقیہ کا فتویٰ یہ ہے کہ مرتد فطری کا واجب القتل ہونا توبہ کے ذریعے ختم نہیں ہوتا بلکہ اُس کا توبہ قابلِ قبول ہی نہیں ہوتا۔"

آگے چل کر مصنف نے اپنے موقف کی تائید میں آیت اللہ خمینی کے اُن مکتوبات کو بھی بطور گواہ پیش کیا ہے جو آقائے خامنہ ای کے نام لکھے گئے یا جن کا رابطہ کسی نہ کسی شکل میں آقائے خامنہ ای کے ساتھ بنتا ہے اور کہا ہے کہ کسی بھی مکتوب سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آیت اللہ خمینی، آقائے خامنہ ای کو مجتہد سمجھتے تھے۔

آیت اللہ خمینی کے وصیت نامہ سے اقتباس

مصنف نے آیت اللہ خمینی کے وفات کے بعد مجلس خبرگان کی تشکیل اور انتخاب رہبر دوم جمہوری اسلامی ایران کے دنوں کو یاد کرتے ہوئے آیت اللہ خمینی کی اس تحریر کا ذکر کیا ہے۔

"اس وقت جبکہ میں زندہ ہوں، واقعیت سے دور کچھ باتوں کو مجھ سے منسوب کیا جاتا ہے اور ممکن ہے کہ میرے بعد ان باتوں کی مقدار میں اضافہ ہو، لہٰذا آپ سے میری یہ گزارش ہے کہ جو کچھ مجھ سے نسبت دی گئی ہے یا دی جاتی ہے، وہ میری طرف سے موردِ تصدیق نہیں، مگر یہ کہ میری آواز ہو، یا ماہرین کے توسط سے تصدیق شدہ میری دستخط شدہ تحریر ہو، یا جو کچھ میں نے جمہوری اسلامی کے ٹی وی پر کہا ہو۔"

مصنف لکھتا ہے کہ اس مکتوب کے آئینے میں، انتخابِ رہبری کے لئے مجلس خبرگان کی طرف سے ختمی فیصلہ والے دن آقائے ہاشمی رفسنجانی کی زبانی آقائے خامنہ ای کی رہبری کے حق میں آیت اللہ خمینی کا تائیدی قول قابلِ اعتبار نہیں۔ اسی طرح، آقائے احمد خمینی کا اپنے والد کا یہ قول نقل کرنا کہ آقائے خامنہ ای ایک مجتہد مسلّم ہے، اعتبار سے ساقط ہو جاتا ہے۔

اس حوالے سے نقل کئے جانے والے اقوال میں سے ایک یہ ہے کہ جب آیت اللہ خمینی کی زندگی کے آخری مہینوں میں حکومت کے اعلیٰ عہدیداران؛ صدر مملکت (آقائے خامنہ ای)، رئیس مجلس خبرگان (آقائے رفسنجانی)، وزیر اعظم (آقائے میر حسین موسوی) اور چیف جسٹس (آقائے موسوی اردبیلی) اُن کے پاس جمع تھے اور قائم مقام رہبری کے عہدے سے آیت اللہ منتظری کی علیٰحدگی کے بعد پیش آنے والے خلا کے حوالے سے اپنی تشویش کا اظہار کر رہے تھے۔ اس وقت آیت اللہ خمینی حاضرین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "انہی میں سے ایک اس عہدے کے لئے مناسب ہے"۔

آقائے کدیور لکھتے ہیں کہ آیت اللہ سید عبد الکریم موسوی اردبیلی (اس وقت کے چیف جسٹس) سے بھی یہی قول نقل ہوا ہے کہ امام خمینی نے متبادل فقیہ کے انتخاب کے حوالے سے اُن کی تشویش کے جواب میں کہا "آپ آقایان جیسے لوگوں میں سے ایک" یہ کہہ کر انہوں نے آقائے خامنہ ای، آقائے ہاشمی رفسنجانی اور آقائے موسوی اردبیلی کی طرف اشارہ کیا۔

اسی طرح آیت اللہ خمینی کی بیٹی نے بھی سن 1392 شمسی میں رہبر کو ایک خط میں یہ یاددہانی کرائی کہ "امام نے جناب عالی کے نام کے بعد اِن (ہاشمی رفسنجانی) کا نام بھی (مقام رہبری کے لئے) لیا تھا"۔

آقائے کدیور نے مجلس خبرگان میں انتخاب رہبری کے دن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے "اس دن آیت اللہ خمینی کے پیروکار علماء نے جذبات کے زیر اثر ایک تاریخی انتخاب عمل میں لایا۔ انہوں نے انتظامی امور میں مہارت کو فقہی دانش پر سبقت دیتے ہوئے ایک جزوی مجتہد کو ولی فقیہ کے جانشین کے طور پر منتخب کیا جس کے لئے اجتہادِ مطلق بالفعل کا ہونا لازمی تھا۔ آیت اللہ خمینی کے شاگردوں نے رہبری کے عہدے کو اپنے مجموعے سے باہر جانے نہیں دیا۔ آیت اللہ خمینی اپنے ہم عصر مراجع عظام میں سے کسی کو بھی رہبری کے لئے موزون نہیں سمجھتے تھے، اپنے شاگردوں میں سے مجتہد اعلم (آیت اللہ منتظری) بھی ان کے خیال میں راہِ انقلاب سے منحرف ہو چکے تھے۔ انتظامی امور میں تجربہ رکھنے والے دیگر روحانیوں میں کوئی مجتہد مطلق پایا نہیں جاتا تھا، لہذا بات جزوی مجتہد تک پہنچ گئی"۔

جزوی مجتہد وہ مجتہد ہوتا ہے جو فقہ کے تمام ابواب میں صاحبِ رائے نہیں ہوتا بلکہ بعض موارد میں صاحب رائے ہوتا ہے اور بعض میں نہیں۔ تمام فقہی امور میں صاحب رائے مجتہد، مجتہدِ مطلق کہلاتا ہے۔

اجتہادِ مطلق-کتاب سے اقتباس

اجتہاد کے دو درجے ہوتے ہیں۔ (1) عملیاتی اجتہاد، رہبری کی حد تک (2) مرجعیت اور صلاحیت فتویٰ۔ دونوں اجتہاد مطلق کے درجات ہیں۔ رہبری کی حد تک کفایت کرنے والا عملیاتی اجتہاد، اجتہادِ مطلق کے مقابلے میں نہیں۔ آقائے خامنہ ای نے درجہ اول کے لئے صادر ہونے والے سن 1369 شمسی کے گواہی ناموں کو عوام فریبی سے کام لیتے ہوئے فتویٰ دینے اور مرجعیت کے لئے استعمال کیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ آیت اللہ مشکینی اور آیت اللہ مومن نے آقائے خامنہ ای کے حق میں درجہ اوّل کے لئے تو گواہی نامہ تحریر کیا لیکن دونوں حضرات ان کی صلاحیت فتویٰ اور مقامِ مرجعیت کے مخالف تھے۔

مرجعیت کا دعویدار ہر مجتہد، جو تقلید کے لئے اعلمیت کو شرط مانتا ہے، خود اعلمیت کا مدعی بھی ہوتا ہے۔ مرجعیت اعلیٰ کے معنی صرف دعوائے اعلمیت ہی نہیں ہے بلکہ مرجعیت کو ایک شخص تک ہی محدود سمجھنا ہے۔ پچھلی صدی کے دوران شاید مرحوم آیت اللہ العظمیٰ بروجردی ہی وہ واحد شخصیت ہیں جو اس مقام تک پہنچ سکے ہیں۔ سن 1376 شمسی میں آقائے خامنہ ای مرجعیت کو خود تک محدود کرنے (مرجعیت اعلیٰ) اور باقی مراجع عظام کو حذف کرنے کے لئے سرگرم تھے کہ آیت اللہ منتظری اور آیت اللہ آذری قمی نے اس کی شدید مخالفت کی۔ یہ کتاب کا بدیع نکتہ ہے۔ آقائے خامنہ ای نے سن 1373 شمسی میں باقاعدہ طور پر اپنی مرجعیت (و اعلمیت) کا اعلان کیا اور سن 1376 شمسی میں اپنی مرجعیت اعلیٰ کو عملی جامہ پہنانے پر کمربستہ تھے کہ حوزہ علمیہ قم کے دو با اثر مجتہدین کے اعتراض نے اس عمل کو موقوف کر دیا۔

مجلس خبرگان اور رہبر دوم کا انتخاب

آقائے محسن کدیور کی نظر میں، مجلس خبرگانِ رہبری نے سن 1368 شمسی میں رہبر کے انتخاب کے حوالے سے آئین جمہوری اسلامی کی تین واضح خلاف ورزیاں کی ہیں۔ اول: شرط فتویٰ اور مرجعیت بالفعل کے فقدان

کے غیر قانونی ہونے کو نظر انداز کرنا۔ آیت اللہ خمینی کی وفات کے بعد آئین جمہوری اسلامی تجدید نظر اور ترمیم کے مرحلے سے گزر رہا تھا، تاہم اس وقت تک آئین میں رہبری کے لئے مرجعیت لازمی شرط تھی جبکہ آقائے خامنہ ای مرجع نہیں تھے۔ (1358 کے آئین کے آرٹیکل 109 کی خلاف ورزی) دوم: کم از کم ابتدائی سات ماہ کے عرصے تک آقائے خامنہ ای کی غیر قانونی رہبری کے عبوری ہونے کا اعلان نہ کرنا۔ سوم: اجتہادِ مطلق یعنی فقہ کے مختلف ابواب میں فتویٰ دینے کے لئے لازم علمی صلاحیت کے فقدان سے چشم پوشی کرنا۔

آقائے کدیور مزید لکھتے ہیں کہ مجلس خبرگان کی طرف سے منتخب شدہ رہبر میں شرعی و قانونی شرائط کے فقدان پر شدید اعتراضات کی وجہ سے آقائے خامنہ ای نے اپنی رہبری کے آغاز کے ایک سال بعد مدد کے لئے آیت اللہ خمینی کے باقی شاگردوں کا دامن پکڑ لیا۔ بانی جمہوری اسلامی کے سات شاگردوں؛ آقایان محمد یزدی، عبد اللہ جوادی آملی، محمد فاضل لنکرانی، محمد مومن قمی، علی مشکینی، یوسف صانعی اور ابراہیم امینی نے بالترتیب خرداد ماہ سے شہریور ماہ سن 1369 شمسی تک آقائے خامنہ ای کے اجتہاد کو رہبری کا عہدہ سنبھالنے کے لئے لازم حد تک ہونے کی تحریری تائید کی۔

قابل توجہ ہے کہ ان افراد میں سے اکثر، رہبر کی جانب سے حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر متعین تھے۔ جیسے چیف جسٹس سپریم کورٹ، ممبر گارڈین کونسل اور امام جمعہ۔ ان میں سے ایک نفر اس دور کا ابھرتا ہوا جوان مرجع تقلید شمار ہوتا تھا (جسے اوج پر پہنچنے کے لئے حکومت کی تائید درکار تھی)۔ ان سات گواہی ناموں میں سے پانچ گواہی نامے رہبری کا عہدی سنبھالنے کے لئے لازم اجتہاد سے زیادہ پر دلالت نہیں کرتے تھے۔

مرجع جائز التقلید

رہبری کے لئے لازم جزوی اجتہاد اور مرجعیت کی صلاحیت کے لئے لازم اجتہادِ مطلق میں فرق پایا جاتا ہے۔ آقائے خامنہ ای کے حق میں صادر ہونے والے قبل الذکر پانچ گواہی نامے صرف رہبری کے لئے لازم

جزوی اجتہاد کی گواہی دیتے ہیں، جبکہ ان گواہی ناموں کو اجتہاد مطلق کی تصدیق کے طور پر استعمال کرنا، عوام فریبی کی واضح مثال ہے۔

مصنف کا کہنا ہے کہ سن 1372 شمسی میں بیروت سے پہلی مرتبہ شائع ہونے والی آقائے خامنہ ای کی "کتابِ استفتاءات" میں چھپنے والے گواہی نامے دراصل اُن کی رہبری کے حوالے سے پائے جانے والے شک وتردید کو رفع کرنے اور اسے مشروعیت بخشنے کے لئے صادر ہوئے تھے تاہم بعد میں مقامِ مرجعیت وفتویٰ کے افتتاح کے لئے استعمال کرتے ہوئے اس کتاب کی زینت بنائے گئے۔

جس نکتے کی طرف آقائے کدیور اشارہ کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ "کتابِ استفتاءات میں فتویٰ کے عنوان سے جو کچھ چھاپا گیا ہے اس میں اکثر استفتاءات کے جواب میں مکلفین کو آیت اللہ خمینی کے فتویٰ اور کتاب تحریر الوسیلہ کی طرف رجوع دیا گیا ہے۔ تاریخ تشیع میں ایسا پہلی بار ہوا ہے کہ کسی مجتہد کے فتویٰ کو نقل کرنے والا، خود مرجع تقلید کا مدعی بن بیٹھا ہے"۔

سیاسی طاقت اور مذہبی تعصب کا منحوس جوڑ

آقائے کدیور کے مطابق، جزوی مجتہد کی طرف سے سیاسی قوت کی حمایت کے ساتھ مرجعیت کا دعویٰ جہانِ تشیع کے مراجع عظام اور علمائے کرام کی مخالفت سے روبرو ہوا۔ ان اعتراض کنندگان میں سے ایک بیروت کے مردِ شجاع، صاحب فضیلت، نامور مجتہد آیت اللہ سید محمد حسین فضل اللہ تھے جو کہ، آقائے کدیور کے بقول ،اس مخالفت کے نتیجے میں آقائے خامنہ ای کی نظروں سے گر گئے۔ آیت اللہ سید فضل اللہ کی مرجعیت کو آقائے خامنہ ای کی مرجعیت کے لئے ایک خطرہ تشخیص دیتے ہوئے حکومت جمہوری اسلامی نے باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ ان کو شیعیانِ جہان کی نظروں سے گرانے کے لئے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرنا شروع کیا؛ ان کے مخالفین کو تقویت دے کر ان کے خلاف بھڑکایا گیا، حزب اللہ کے لیڈروں کو ان کے خلاف کر لیا گیا۔ علاوہ ازیں ان کے نظریات اور افکار کو اس انداز میں اچھالا گیا جیسے کہ وہ منکر اہل بیت ہو۔ ان تمام ریشہ دوانیوں کا مقصد آیت اللہ فضل اللہ کے مقام کو گھٹانا اور نتیجتاً رہبر کے مقام کو بلند کرنا تھا تاکہ مرجعیت

حکومتِ جمہوری اسلامی کے ہاتھ سے خارج نہ ہو۔ سیاسی طاقت اور مذہبی تعصبات نے ایک دوسرے کا ہاتھ تھاما اور یوں جمہوری اسلامی اپنے ہدف میں کامیاب اور آیت اللہ فضل اللہ کا اجتہاد اور ان کا شیعہ ہونا زیر سوال چلا گیا۔

وزارتِ خفیہ امور میں علماء کا شعبہ

آقائے خامنہ ای کی مرجعیت کی علی الاعلان مخالفت کرنے والوں میں سے ایک آیت اللہ خمینی کے شاگردِ نامدار، آیت اللہ حسین علی منتظری تھے۔ اس حوالے سے مصنف، آقائے منتظری کا قول یوں نقل کرتے ہیں "سن 1372 شمسی، آبان کے مہینے میں آیت اللہ مومن قمی کے توسط سے آقائے خامنہ ای کو ایک تحریری پیغام دیتے ہیں جس میں انہیں اُن شرعی میدانوں میں دخل اندازی سے باز رہنے کی تنبیہ کی جاتی ہے جن کی صلاحیت آقائے خامنہ ای میں موجود نہیں، یعنی فتویٰ، مرجعیت اور وجوہِ شرعیہ میں تصرف۔ مزید بر آں، وہ حکم رہبری کے تحت بعض سرکاری سکیورٹی اداروں یعنی علماء کی خصوصی عدالت، وزارتِ خفیہ امور اور سپاہ پاسداران کے توسط سے حوزہ ہائے علمیہ کی خود مختاری کے منافی اقدامات پر سخت تشویش کا اظہار کرتے ہیں اور پہلی بار وزارتِ خفیہ امور میں علماء کے شعبے کی تشکیل کی خبر کو فاش کرتے ہیں جس کے ذمے دو کام لگائے گئے ہیں: پہلا کام، تنقید کرنے والے خود مختار مراجع عظام کو بدنام کر کے لوگوں کی نظروں سے گرانا، دوسرا کام، مقامِ رہبری کی مرجعیت کو ترویج دینا اور اسے مضبوط بنیادوں پر استوار کرنا"۔

آقائے کدیور کے مطابق، درواقع مذکورہ بالا سات گواہی نامے بھی وزارت خفیہ امور میں اسی ادارے کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

آقائے کدیور کی کتاب کے مطابق، اجتہاد کی اجازت پر سات گواہی ناموں کے حصول پر بات ختم نہیں ہوئی بلکہ آیت اللہ خوئی اور آیت اللہ اراکی کی وفات کے بعد آقائے خامنہ ای کی مرجعیت کے لئے مذکورہ حکومتی ادارے دوبارہ سرگرم ہو جاتے ہیں اور گیارہ کے قریب گواہی نامے قم اور تبریز کے ائمہ جمعہ اور مدرسین حوزہ علمیہ سے لکھوا کر قومی اخبارات میں شائع کئے جاتے ہیں۔ یاد رہے کہ پہلے مرحلے کے سات گواہی نامے

آقائے خامنہ ای کے اجتہاد اور رہبری کو مشروعیت بخشنے کے لئے جمع کئے گئے تھے جبکہ دوسرے مرحلے کے گواہی ناموں کا مقصد ان کی مرجعیت اور جواز تقلید پر مہر تصدیق ثبت کرنا تھا۔

آیت اللہ خوئی کی وفات کے بعد جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ قم کی طرف سے 6 افراد کو بعنوان مرجع تقلید انتخاب کرنے کے بعد یہ طے پاتا ہے کہ مجتہدِ اعلم کے انتخاب اور اعلان کے سلسلے میں مقامِ رہبری سے مشورہ کیا جائے۔ اس ملاقات میں آقائے خامنہ ای مرجعیت کو محدود نہ کرنے کی تاکید کرتے ہوئے کسی کا نام اعلم کے طور پر اعلان کرنے کی ممانعت کرتے ہیں اور اشارتاً اس فہرست میں مزید افراد کے اضافہ ہونے کا عندیہ دیتے ہیں۔ اس نشست کا انجام یہ ہوتا ہے کہ جامعہ مدرسین اپنے منتخب مراجع کی فہرست کو دبانے اور رائے شماری کی نشست کی روداد اور نتائج کو خفیہ رکھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

آقائے کدیور لکھتے ہیں "اگر جامعہ مدرسین، رہبری سے جدا ایک خود مختار ادارہ ہے تو امور مرجعیت میں ان سے اجازت لینے کا کیا مقام بنتا ہے؟ جب آقائے خامنہ ای اس فہرست میں اپنا نام نہیں دیکھتے تو فہرست کو مخفی رکھنے پر مجبور کیا جاتا ہے"۔

اگلے سال آیت اللہ اراکی کی وفات کے بعد مرجعیت کا مسئلہ دوبارہ جامعہ مدرسین کے سامنے پیش ہوتا ہے۔ اس میٹنگ میں مرجعیت کے بارے میں گفت و شنید کے دوران بعض افراد کی جانب سے یہ تجویز دی جاتی ہے کہ آقائے خامنہ ای کا نام بھی پہلے سے منتخب 6 افراد کی فہرست میں شامل کیا جائے۔ تعجب یہ کہ تمام اصولوں کو روندتے ہوئے یہ کام انجام پاتا ہے اور آقائے خامنہ ای کا نام اس فہرست میں بڑی آسانی سے شامل کر دیا جاتا ہے، یوں سن 1373 شمسی آذر کے مہینے کی 11 تاریخ کو جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ قم کی طرف سے اعلان ہونے والے سات مراجع تقلید کی فہرست میں آقائے خامنہ ای کا نام تیسرے نمبر پر نظر آتا ہے۔

جامعہ مدرسین نے سات افراد کا نام بطور مرجع تقلید اعلان کر کے کس طرح اپنے آئین نامے کی خلاف ورزی کی، اس پر دلیل لاتے ہوئے آقائے کدیور نے لکھا ہے، "اگرچہ یہ بیانیہ جامعہ مدرسین کی جانب سے نشر ہوا ہے مگر اس پر صرف ایک ممبر کے دستخط موجود ہیں جبکہ قانون کے مطابق ممبران کی اکثریت کے دستخطوں

کے بغیر یہ بیانیہ فاقد اعتبار ہے۔ جامعہ مدرسین قم و جامعہ روحانیتِ مبارز تہران اور علماء سے مربوط حکومت کے دوسرے اداروں نے جو قرارداد پاس کیا درج ذیل دلائل کی بنا پر تاریخ تشیع میں ایک بدعت شمار ہوتی ہے: پہلی دلیل یہ کہ فاقدِ شرائط افراد کو مجتہدِ جامع الشرائط کے عنوان سے پیش کرنا، دوسری یہ کہ صرف سات افراد کا نام بعنوانِ مرجع جائز التقلید اعلان کرنا جبکہ ان سے اعلم تر اور افقہ تر مجتہدین حوزہ علمیہ قم، حوزہ علمیہ نجف اور حوزہ علمیہ لبنان میں موجود تھے، کیا یہ مراجع عظام ممنوع التقلید تھے؟ تیسری یہ کہ حوزہ علمیہ کے روایتی اصولوں سے روگردانی کرنا، یعنی حوزہ اپنے روایتی اصولوں کے مطابق اس بات کا ذمہ دار تھا کہ مقلدین کو تذبذب اور بے یقینی کی کیفیت سے بچانے کے لئے ایک فرد مجتہد اعلم کا انتخاب کرتا، نہ کہ اعلم کا انتخاب کئے بغیر کئی افراد کے ناموں کا اعلان کرتا"۔

آقائے کدیور کی نظر میں مرجع تقلید کی حیثیت سے آقائے خامنہ ای کی طرف سے جاری شدہ بعض فتوے "بے پایہ اور خطرناک" ہیں۔

بعنوانِ مثال، 1392 شمسی، مرداد کے مہینے میں آقائے خامنہ ای کی طرف سے جاری ہونے والا یہ خطرناک اور بے پایہ فتویٰ نمونے کے طور پر قابلِ ذکر ہے جس میں انہوں نے حکام بالا پر علی الاعلان تنقید کو حرام قرار دیا ہے۔ ان کے فتویٰ کے مطابق "حکام کے ظلم و ستم سے عوام کو آگاہ کرنا یا اس کا عوامی سطح پر، پرچار کرنا ایک بیہودہ و ناپسندیدہ عمل ہے اور اگر فتنہ و فساد اور حکومت اسلامی کی کمزوری کا سبب بنے تو حرام ہے"

یہ فتویٰ تاریخ تشیع میں ایک بدعت اور اسلام کے مسلّمہ تعلیمات کے خلاف ہے۔ اس فتویٰ کا صرف ایک ہی مقصد نظر آتا ہے یعنی تنقید ممنوع! اس قسم کے فتووں پر عمل کا تلخ نتیجہ عالم اسلام میں آمرانہ حکومت کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

آقائے خامنہ ای کی مرجعیت کی داستان چار قدموں پر مشتمل تھا۔ پہلا قدم نظام کی خدمت میں ایک توانا خطیب جو نہ اجتہاد کا مدعی تھا نہ رہبری کا، اور مرجعیت کا تو خواب بھی نہیں دیکھتا تھا: حجت الاسلام والمسلمین خامنہ ای۔ دوسرا قدم مصلحت نظام کی بنیاد پر رہبری اور ولایت فقیہ کا عہدہ: مقامِ معظم رہبر آیت اللہ خامنہ

ای۔ تیسرا قدم مرجعیت کے لئے منصوبہ بندی سن 1368 شمسی سے شروع اور 1373 شمسی میں اس کا باقاعدہ اعلان: مرجع جائز التقلید آیت اللہ خامنہ ای۔ چوتھا قدم مرجعیت اعلیٰ کے عہدے کی طرف پرواز سن 1376 شمسی سے شروع: امام خامنہ ای۔ البتہ آخری منصوبے کی کامیابی جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ کی طرف سے پہلے سے اعلان شدہ عمر رسیدہ مراجع کی وفات تک التوا کا شکار رہے گا۔

اس پوری داستانِ جفا کی ذمہ داری صرف آقائے خامنہ ای پر ہی عائد نہیں ہوتی بلکہ ان کے یار و یاور اور دست و بازو بننے والے مکتبِ آیت اللہ خمینی کے باقی علماء بھی "مرجعیتِ شیعہ کی پامالی" میں برابر کے شریک ہیں۔

(باتشکر از علی محمدی بی بی سی فارسی)
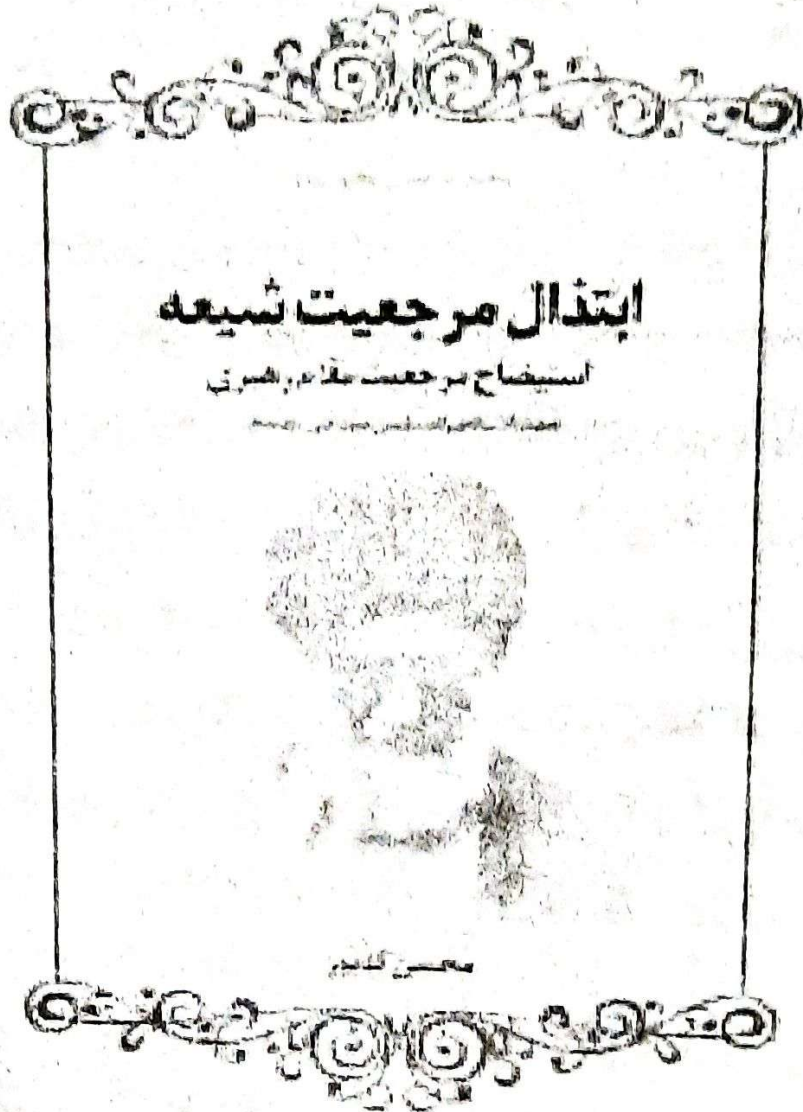
ابتذال مرجعیت شیعه

فکر کے جرم میں سزائے موت

ڈاکٹر محمد علی طاہری کے لئے سزائے موت کے عدالتی حکم کا جائزہ

فساد فی الارض کے جرم میں محمد علی طاہری کے لئے سزائے موت کا حکم گزشتہ چند سالوں میں متنازعہ ترین عدالتی فیصلوں میں سے ایک شمار ہوتا ہے۔

محمد علی طاہری کی عرفان کی کلاسیں کچھ سال پہلے تک تہران یونیورسٹی اور تہران میڈیکل یونیورسٹی میں باقاعدہ طور پر منعقد ہوتی رہی ہیں، اُن کی کتابیں حکومت کی اجازت سے چھپتی تھیں اور وہ خود بھی عوامی اجتماعات میں لیکچر دیتے تھے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ یا اُن کے سامعین و مخاطبین کی تعداد بڑھنے کے ساتھ حکومت جمہوری اسلامی کی طرف سے انہیں اتنی مشکلات اور محدودیتوں کا سامنا کرنا پڑا کہ اگست 2010 سے وہ اپنی سرگرمیاں روکنے اور عرفان کی کلاسوں کو تعطیل کرنے پر مجبور ہوا۔

انہیں پہلی بار سن 2010 میں ملکی سلامتی کے خلاف اقدام کے الزام میں گرفتار کر کے 68 دن کے لئے انفرادی سیل میں رکھا گیا۔ سن 2011 میں ارتداد، محاربہ، مقدسات کی توہین، فساد فی الارض اور توہین رسالت کے الزام میں دوبارہ گرفتار کر کے جیل روانہ کر دیا گیا۔ 11 مئی 2011 میں آقائے طاہری کو تیسری مرتبہ گرفتار کیا گیا اور انقلاب کورٹ کی طرف سے مقدسات کی توہین، علم طبابت اور مریضوں کے علاج میں غیر قانونی مداخلت، نامحرم کو چھونے کا غیر شرعی فعل انجام دینے، علمی عنوانات (ڈاکٹر و انجینئر) کا غیر قانونی استعمال کرنے، کتابوں اور تالیفات کے ضالہ ہونے کے الزام میں پانچ سال قید اور نو سو ملین تومان جرمانہ اور 74 کوڑے سنائے گئے۔ طاہری کو جیل میں اعتراف جرم لینے کے لئے بے حد دباؤ اور ٹارچر کا نشانہ بھی بنایا گیا۔

البتہ جمہوری اسلامی ایران میں دین یا حکومتی دین سے متفاوت انداز فہم رکھنے کی وجہ سے لوگوں پر مقدمہ چلانا اور روانہ زندان کرنا کوئی نئی بات نہیں۔ تازہ عیسائی مذہب اختیار کرنے والوں، بہائیوں، گُنابادی درویشوں اور اہل سنت وغیرہ سب پر مقدمہ اسی بنیاد پر چلایا جاتا رہا ہے۔

عام طور پر حکومتِ ایران بین الاقوامی معاہدوں میں، کہ جن کا وہ ممبر ہے (جیسے بین الاقوامی معاہدہ برائے عوامی وسیاسی حقوق کہ جس کی دفعہ 18 میں واضح طور پر فکر، ضمیر اور مذہب کی آزادی پر تاکید کی گئی ہے) اپنے قول وقرار سے فرار کرنے کی خاطر ان مقدمات کو امن امان کے عنوانات جیسے ملک کی سلامتی کے خلاف اقدام، نظام کے خلاف پروپیگنڈا اور جاسوسی وغیرہ کے تحت چلاتے رہے ہیں؛ جیسا کہ آقائے طاہری کو پہلی بار ملکی سلامتی کے خلاف اقدام کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا لیکن بعد کے الزامات جیسے ارتداد، مقدسات کی توہین وغیرہ سب عقیدتی ہیں۔ 29 جولائی 2015ء کو آقائے طاہری کے لئے موت کی سزا سنائی گئی۔ صادر شدہ حکم کے خلاف کی گئی اپیل کی ابھی تک شنوائی نہیں ہوئی ہے۔

آقائے طاہری نے اب تک بارہا یہ اعلان کیا ہے کہ انہوں نے اپنی تعلیمات میں اصول دین کے کسی رکن کا انکار نہیں کیا ہے۔ لیکن کیا آقائے طاہری کے لئے سزائے موت کا حکم شرعی لحاظ سے قابل توجیہ ہے؟

قرآن میں دین قبول کرنے میں جبر نہ ہونے کے متعلق بہت ساری آیتیں ملتی ہیں۔ ان آیتوں میں سے سورہ بقرہ کی آیت 256 کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے جس میں آیا ہے: "دین میں کوئی جبر نہیں، بتحقیق ہدایت اور گمراہی میں فرق نمایاں ہو چکا ہے۔" اس آیت کی مشابہ آیتیں قرآن میں کم نہیں ہیں، لیکن ان کے مقابلے میں ایسی آیتیں بھی ہیں جو عقیدہ و مذہب کی آزادی سے متصادم نظر آتی ہیں۔ بعض آیتوں جیسے سورہ توبہ کی آیت 29 میں ہے: "اہل کتاب میں سے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اللہ اور اس کے رسول نے جو کچھ حرام قرار دیا ہے اسے حرام نہیں ٹھہراتے اور دین حق قبول نہیں کرتے ان لوگوں کے خلاف جنگ کرو یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔"

ان آیات کی تفسیر و تفہیم سے متعلق جو نکتہ بہت سارے دینی نواندیش محققین بیان کرتے ہیں یہ ہے کہ ان آیات کی اجتماعی و تاریخی پس منظر کو مد نظر رکھنا ضروری ہے۔ مثلاً مذکورہ بالا مثال میں پورا سورہ پڑھنے سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ یہ آیت جنگی حالات میں نازل ہوئی ہے۔ اس زمانے میں مسلمان معاشرہ بیحد نوخیز تھا اور ارتداد اس زمانے میں دشمن کی صفوں میں شامل ہونے جیسا تھا اور درحقیقت یہ عمل امن وامان میں خلل

ڈالنے اور ملک سے غداری کے جرم کے مترادف شمار ہوتا تھا۔ لہذا ارتداد، عقیدے سے مربوط جرم سے زیادہ، امن سے مربوط ایک جرم حساب ہوتا رہا ہے۔ یہ ایک ایسا نکتہ ہے جسے بعد میں آنے والے علمائے دین نے مد نظر نہیں رکھا۔

بہت سارے دینی نواندیش محققین معتقد ہیں کہ اسلام میں ارتداد کے لئے (عقیدتی جرم کے معنی میں) کسی قسم کی دنیوی سزا مقرر نہیں ہے اور تاریخ اسلام میں کبھی بھی کسی شخص کو پیغمبر خدا (ص) اور دیگر معصومین (ع) کے توسط سے ارتداد کے جرم میں سزا نہیں دی گئی ہے۔ دینی نو اندیش، ڈاکٹر محسن کدیور نے اپنے تحقیقی رسالہ بنام "ارتداد کی سزا اور آزادی مذہب" میں اس حوالے سے لکھا ہے:

"کسی بھی شخص کو صرف ارتداد کے جرم میں رسول اکرم (ص)، امیر المومنین (ع) اور دیگر ائمہ (ع) کے حکم سے موت کی سزا نہیں دی گئی ہے اور سزا یافتہ مجرمین دوسرے جرائم میں بھی ملوث تھے۔"

ڈاکٹر کدیوَر کا اشارہ مرحوم آیت اللہ منتظری کی کتاب "دینی حکومت اور انسانی حقوق" کی طرف ہے جس میں آیا ہے:

"پیغمبر اکرمؐ اور حتیٰ ائمہؑ کے زمانے میں میں ارتداد کا موضوع عقیدہ بدلنے یا اس کا اظہار کرنے کو شامل نہیں ہوتا تھا" اور "بعض تاریخی کتابوں کے مطابق جن لوگوں کے لئے سزائے موت کا حکم پیغمبر اکرمؐ کے توسط سے صادر ہوا اور اُن میں سے بعض مارے بھی گئے، اُن کا قتل نہ ناگہانی قتل کا نمونہ تھا اور نہ ہی صرف کفر یا ارتداد کی خاطر، بلکہ سنگین جرائم میں ملوث ہونے یا مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک ہونے اور انہیں عملی طور پر ایذاء پہنچانے یا دشمنوں کے لئے جاسوسی کرنے یا دیگر امور کی خاطر تھا کہ جن کا ذکر آئے گا۔"

دینی امور کے بعض محققین جیسے مہدی خلجی وغیرہ معتقد ہیں کہ پوری تاریخ میں ارتداد کا حکم سیاسی مقاصد کے حصول (مخالفین کی سرکوبی اور اقتدار کو تقویت بخشنے) کے لئے صادر ہوتا رہا ہے اور تکفیر ہونے والے افراد نہ خود کو کافر سمجھتے تھے اور نہ ہی کسی عدالت میں انہیں اپنے موقف کا دفاع کرنے کا موقع ملا ہے۔ خلجی کے بیان کے مطابق روایتی فقہ کے بنیادی اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ لازم ہے تکفیر ہونے والا شخص یہ

جانتا ہو کہ جو کچھ اس نے کہا ہے کفر آمیز ہے اور اگر کوئی کفر گوئی کے ارادے کے بغیر، کافرانہ سخن منہ سے ادا کرے، شرعاً اسے کافر نہیں کہا جاسکتا۔

خلجی نمونے کے طور پر سلمان رشدی کے فتوائے ارتداد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس فتویٰ کو آیت اللہ خمینی کی جانب سے مسلمانوں کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرانے کی ایک کوشش قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

"سلمان رشدی کی کتاب کا ایران میں ترجمہ نہیں ہوا تھا اور عام لوگ اس کتاب کے انگریزی ایڈیشن تک نہ دسترسی رکھتے تھے اور نہ ہی اسے پڑھ سکتے تھے۔ انہی وجوہات کی بنا پر اس بات کا احتمال بسیار کم ہے کہ آیت اللہ خمینی نے خود بھی وہ کتاب پڑھی ہو۔ سلمان رشدی کو قتل کرنے کا فتویٰ ایک ایسے وقت میں صادر ہوا جب آیت اللہ خمینی نے ایران عراق کی آٹھ سالہ جنگ کو خاتمہ دینے کے لئے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی قرارداد کو "جامِ زہر" پینے سے تعبیر کرتے ہوئے قبول کیا تھا۔ اسی طرح وہ آیت اللہ منتظری کو قائم مقامی کے عہدے سے برطرف کرنے کی تیاریوں میں تھے۔ اپنے قریب المرگ ہونے کو بھی جانتا تھا اس لئے آئین میں ترمیم کرنے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دینے اور اپنے جانشین کے تقرر کے لئے راہ ہموار کرنے کی کوششوں میں لگا ہوا تھا۔ ملکی معیشت نہایت خستہ حالت میں تھی۔ آیت اللہ خمینی کا چہرہ ایک خستگی ناپذیر رہبر اور مسلمانوں کی رہبری اور قدس کی آزادی کا دعویٰ کرنے والے جنگی سپہ سالار کی حیثیت سے نہایت دھندلا اور کمزور ہو چکا تھا۔ دو مراجع تقلید کے درمیان چھڑی ہوئی خاموش جنگ نے سیاسیوں، روحانیوں اور مسلح افواج کو دو حصوں میں بانٹ رکھا تھا، ایرانی معاشرہ بھی سرگردانی کی حالت میں تھا۔ ان سارے حالات کے تناظر میں اندرونی اتحاد و یگانگت کو برقرار رکھنے اور اسی طرح تمام دنیا کے مسلمانوں کی توجہ کو اپنی جانب مبذول کرانے کے لئے ایک "دھماکہ" کرنے کی ضرورت کا شدت سے احساس ہو رہا تھا اور سلمان رشدی کے قتل کا فتویٰ اس کام کو بخوبی انجام دے سکتا تھا۔"

محمد علی طاہری کا کیس، سلمان رشدی کے ساتھ قابل مقائسہ نہیں لیکن بہرحال اس قسم کے احکامات کے پیچھے سیاسی مقاصد پوشیدہ ہونے کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔

We Want
DEMOCRACY

نظام ولایت فقیہ اور جمہوریت کا تقابلی جائزہ

نظام ولایت فقیہ جمہوریت کا دشمن

جمہوریت کی خصوصیات اور امتیازات سے نظام ولایت فقیہ فاقد ہے

نظام ولایت فقیہ کم از کم اُن دس بنیادی خصوصیات سے بے بہرہ ہے جو جمہوری نظام میں پائی جاتی ہیں۔ نظام ولایت فقیہ جمہوریت سے متصادم ہے۔ اس نظام میں جمہوریت کی درج ذیل دس خصوصیات کا نام ونشان بھی نہیں ملتا:

اوّل: جمہوری نظام میں ایک ملک کے تمام شہری، اجتماعی وسیاسی امور میں مساوی ہوتے ہیں اور کسی کو کسی پر فوقیت وبرتری حاصل نہیں ہوتی، لیکن حکومت ولایت فقیہ میں عوام ولی فقیہ کے ہم پلہ نہیں ہوتے۔ اس نظام میں ولی فقیہ کو زمین پر خدا کا نمائندہ اور مسلمانوں کے امور کا ولی اور اس کی بلاچون وچرا اطاعت کو واجب سمجھا جاتا ہے۔

دوّم: جمہوری نظام میں عوام کو اجتماعی امور میں حقدار، بالغ نظر، سنجیدہ اور باشعور سمجھا جاتا ہے، لیکن نظام ولایت فقیہ میں عوام کو اجتماعی امور میں ناپختہ، ناسنجیدہ اور فکری بلوغت سے فاقد سمجھا جاتا ہے۔ اس نظام میں عوام کسی قسم کا حق نہیں رکھتے یا اگر رکھتے بھی ہیں تو فکری بلوغت کی ناپیدگی کی وجہ سے اپنے حق کو بحال کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔

سوّم: جمہوری سسٹم میں حکمران عوام کا "وکیل" ہوتا ہے کہ جسے منصوب یا معزول کرنا عوام کے اختیار میں ہوتا ہے، لیکن نظام ولایت میں حکمران عوام کا "ولی" ہوتا ہے جسے منصوب کرنا یا معزول کرنا عوام کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ ولی فقیہ کسی بھی عوامی ادارے کے سامنے جوابدہ نہیں ہوتا، بلکہ اس کے برعکس عوام ہمیشہ ولی فقیہ کی اتباع کرنے اور اس کے نظریات کی پیروی کرنے کے پابند ہوتے ہیں۔

چہارم: جمہوری حکومتوں میں حکمران عوام کی طرف سے منتخب ہوتا ہے، لیکن نظام ولایت میں حاکم کو منصوب من اللہ سمجھا جاتا ہے اور اس کے شرعی جواز کو عوام الناس کی طرف سے انتخاب کا محتاج نہیں سمجھا جاتا۔ لہذا

اس نظام کا لازمہ "انتخابی حکومت" کی بجائے "انتصابی حکومت" ہے۔ اس نظریے کے مطابق جائز حکومت صرف وہ حکومت ہے جو خدا کی جانب سے منصوب ہو۔ غیر انتصابی حکومت طاغوت، غیر شرعی اور شرکِ ربوبی ہے۔

پنجم: جمہوری نظاموں میں کسی بھی حکمران کی حکمرانی کا دورانیہ اور جغرافیائی حدود محدود اور معین ہوتے ہیں، لیکن نظام ولایت میں حکمران کی حکمرانی دائمی اور عمر بھر کے لئے ہوتی ہے۔ یہ ولایت جغرافیائی حدود کے اندر محدود نہیں ہوتی اور نہ صرف مسلمان بلکہ دنیا کے سارے لوگ ولی فقیہ کی اطاعت کے پابند ہوتے ہیں۔

ششم: جمہوری نظام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ حکمران عوام کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے، عوام کو مواخذہ اور احتساب کا حق ہوتا ہے، مگر نظام ولایت فقیہ میں ولی فقیہ احتساب و مواخذہ سے بالاتر ہوتا ہے۔ ولی فقیہ اگرچہ اجتماعی امور میں لوگوں کی مصلحت کی رعایت کرنے کا پابند ہوتا ہے، مگر مصلحت کی تشخیص دینے والا وہ خود یا اُس کی طرف سے منصوب شدہ افراد ہوتے ہیں۔ عوام پر ولایت فقیہ ایک مقدس منصب ہوتا ہے۔ حکومت ولائی کا لاینفک لازمہ اجتماعی امور میں عوام کی بے دخلی ہے۔

ہفتم: جمہوری حکومتوں میں حکمران کے اختیارات محدود ہوتے ہیں اور حکمران قوانین کی رعایت کا پابند ہوتا ہے، لیکن نظام ولایت فقیہ میں، ولی امر قانون سے بالاتر ہوتا ہے۔ ولی فقیہ کی مطلقہ حکومت مافوق قانون ہوتی ہے، اصولاً آئین اور عام قوانین ولی فقیہ کی اجازت سے وجود میں آتے ہیں، لہذا ماتحت ہرگز مافوق کو پابند و مقید نہیں کر سکتا۔ تمام قوانین اور اجتماعی ادارے شرعی حیثیت کے لئے رہبر کی تائید و تصدیق کے محتاج ہوتے ہیں۔ جب تک ولی فقیہ تائید نہ کرے لوگوں کی رائے اور اُن کے نظریات ہر قسم کی شرعی حیثیت و اعتبار سے فاقد ہوتی ہے۔

ہشتم: نظام ولایت فقیہ میں حکمران کے لئے لازمی شرط فقاہت اور مرد ہونا ہے۔ عورت ولایت شرعی سے فاقد ہوتی ہے، دوسرے لفظوں میں عورتیں ولایت شرعی کا منصب سنبھالنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں، اگرچہ وہ درجہ اجتہاد پر ہی فائز کیوں نہ ہوں، جبکہ جمہوری نظاموں میں حکمران کے لئے فقیہ اور مرد ہونے کی کوئی

پابندی نہیں ہے، یہاں عوام کی رائے ہی فیصلہ کنندہ ہوتی ہے اور حکومت کی طاقت کا سرچشمہ اور بنیاد عوام کی خواہش ہوتی ہے۔

نہم: دنیا کے جمہوری نظاموں میں، حکومت کی حیثیت عوام اور حکمران کے درمیان ایک قسم کے معاہدے کی ہوتی ہے، لیکن نظام ولایت میں اجتماعی امور کے شعبے حق اللہ ہیں نہ کہ حق الناس اور عوام اس شعبے کو اس کے اہل یعنی شارع کی طرف سے منصوب فقیہان کے حوالے کرنے کے پابند ہیں۔ عوام پر فقہاء کی شرعی ولایت اجباری ہے نہ کہ اختیاری، یعنی فقہاء چاہیں یا نہ چاہیں شارع مقدس کی طرف سے وہ معاشرے کے اجتماعی امور کی باگ ڈور سنبھالنے کے پابند ہیں۔ عوام بھی ولی فقیہ کی بیعت کرنے کے پابند ہیں۔

دہم: جمہوری نظام میں انسانوں کے اجتماعی عقل کو معاشرے کے نظم و نسق چلانے میں کلیدی کردار کا حامل سمجھا جاتا ہے، جبکہ نظام ولایت فقیہ میں ولی فقیہ کی رائے آخری ہوتی ہے۔ اس طرزِ نگاہ کے مطابق اولاً عوام خیر و شر میں تمیز کرنے کے قابل نہیں ہوتے اور اپنے نفع نقصان کا ادراک نہیں رکھتے، ثانیاً آسانی سے شیاطین کے تحت تاثیر آکر فریب کھاتے ہیں اور گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اس زاویہ نگاہ سے اگرچہ لوگ انفرادی شعبوں میں فکری لحاظ سے بالغ ہوتے ہیں، مگر اجتماعی امور کے شعبوں میں فکری بلوغت سے محروم ہوتے ہیں۔ اجتماعی امور کے شعبوں میں عوام الناس صرف ولی فقیہ کی پیشگی اجازت یا بعد میں تائید سے تصرف کر سکتے ہیں۔

مجموعی طور پر نظام ولایت فقیہ کے مطابق پسندیدہ حکومت، فقیہ سروری یا فقیہ کی سلطنت یا شرعی سلطنت ہے اور اسے افلاطون کے حکیم حاکمی نظریہ کی صف میں قرار دیتے ہوئے فقیہ شاہی نام دیا جا سکتا ہے۔ البتہ اس قسم کی حکومتوں میں فقاہت اور اجتہاد کی شرط بہت جلد رقیق ہو کر مولویوں، ملاؤں کی حکومت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

مصاحبه تلویزیون سپیده استقلال و آزادی با آقای بنی صدر

بنی صدر:

شرکت در انتخابات
یعنی اینکه من حقیر
بدبخت ذلیل مفلوک
میروم رای میدهم و یک نوکر انتخاب
میکنم برای آقای رهبرکه برمن ولایت
مطلقه دارد. درگفتگوی خانم ژاله وفا با آقای بنی صدر

آدرس ایمیل sepideh.ea@gmail.com تلویزیون سپیده استقلال و آزادی
آدرس تلویزیون TV Ariana Afghanistan Transponder: 14
Hotbird 8 @13°East - Frequency: 10723 H SR/FEC: 29900

ولی فقیہ کھوٹا سکہ

حق گوئی سے بیر، جمہوری اسلامی کی دیرینہ روایت

آذری قمی کی نگاہ میں، اس زمانے میں آقائے خامنہ ای زیادہ سے زیادہ "جزوی مجتہد" تھے، اجتہاد کا ایک ایسا درجہ جس کی تائید صرف رہبری کے لئے کی گئی تھی اور یہ اعزازی ڈاکٹریٹ کی ڈگری کی طرح تھی کہ جس کے ساتھ کوئی شخص طبابت نہیں کر سکتا۔ علاوہ ازیں مرجعیت اور فتویٰ کے لئے فقہ میں "اعلمیت" لازمی ہوتی ہے، اور آذری قمی کی نظر میں حجت الاسلام والمسلمین خامنہ ای فتویٰ کے لئے لازم فقہی اعلمیت کا حامل ہونا تو در کنار یقیناً مجتہد مطلق بھی نہیں تھے۔

آیت اللہ احمد آذری قمی کا سیاسی عروج و زوال

نام: احمد آذری قمی

پیشہ: مجتہد اور سیاست دان

عہدہ: (1) ممبر مجلس خبرگان آئین (2) ممبر شورائے نظر ثانی آئین (3) ممبر مجلس شورائے اسلامی (4) ممبر مجلس خبرگان رہبری (5) شریک بانی و ممبر انجمن مدرسین حوزہ علمیہ قم (6) بانی روزنامہ رسالت آیت اللہ خمینی کے زمانے میں آقائے موسوی (سابق صدر) کی مخالفت اور آقائے خامنہ ای کی شدید حمایت کی وجہ سے آقائے خامنہ ای کی حمایت کنندگان میں انہیں نمایاں اور ممتاز حیثیت حاصل رہی ہے۔

ہنگامہ خیز سیاسی زندگی پر ایک نظر

آیت اللہ احمد آذری قمی کے سیاسی افکار چند پایوں میں استوار ہے: پہلا، پرائیویٹائزیشن کی بھرپور حمایت اور ہر قسم کے نیشنلائزیشن کی شدید مخالفت، دوسرا، ولایت فقیہ کی شدید و پُرجوش حمایت، تیسرا، آیت اللہ خمینی سے اپنے خاص انداز میں ارادت اور وفاداری اور انقلاب اسلامی کی حمایت، چوتھا، ہوا کے مخالف رُخ میں پرواز کرنے کی جرات اور حکومت کی اعلیٰ قیادت حتی مقام رہبری پر بھی تنقید کرنے کی شجاعت، پانچواں، اپنے

نظریات پر نظر ثانی اور تغیر میں سرعت عمل، چھٹا، حمایت اور مخالفت میں حد سے بڑھ جانا اور میانہ روی کا فقدان، ساتواں اور آخری، پیچیدگی سے دور ایک طرح کی سچائی اور سادگی پر مبنی شخصیت۔

آیت اللہ خمینی کی رہبری کا دور

آذری قمی نے جب سے خود کو پہچانا ستم شاہی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ جمہوری اسلامی کی تشکیل کے بعد ابتدائی پانچ سالوں میں عدالتی نظام کے ایک عہدہ دار کی حیثیت سے ان کا طرزِ عمل آیت اللہ خلخالی جیسا رہا ہے۔ مجلس شورائے اسلامی کے دوسرے ٹرم میں وہ آیت اللہ خمینی کی پسندیدہ اور مورد تائید موسوی کابینہ کے مخالف 99 نفری گروہ کا لیڈر تھا۔ بعض سیاسی و معاشی پالیسیوں میں اپنے استاد اور رہبر جمہوری اسلامی آیت اللہ خمینی کی رائے کو قبول کرنے سے گریز کرتے ہوئے کم از کم دوبار اُنہیں تنقیدی مکتوبات لکھے۔ مجموعی طور پر انہوں نے جہاں بھی حکومتی پالیسیوں میں خامیاں نظر آئیں بے باکی کے ساتھ حکومت پر تنقید کی اور اربابِ اقتدار کے ہاں میں ہاں ملانے کا شیوہ اختیار نہیں کیا۔

ولایت فقیہ کا پرجوش حامی

مجلس خبرگان رہبری کے پہلے اور دوسرے ٹرم کے ممبر کی حیثیت سے ان کے کارہائے نمایاں میں "شورائی رہبری" کے مقابلے میں "فردی رہبری" کی حمایت اور ممبر شورائے نظر ثانی آئین کی حیثیت سے ملک کے آئین میں "ولایت مطلقہ فقیہ" کو داخل کرنے کی حمایت اُن کے یادگار کارناموں میں سے ایک ہے۔ وہ معتقد تھے کہ آئین پر نظر ثانی کے نتیجے میں جس چیز کو حذف کیا گیا وہ رہبر کے لئے مرجعیت کی شرط تھی، لیکن یہ شرط کہ اُس کا "مجتہد جامع الشرائط" ہونا لازمی ہے اپنی جگہ باقی تھی۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ صرف "مجتہد مطلق" ہی ولی فقیہ بن سکتا ہے اور "جزوی مجتہد" نہ مرجعیت کی صلاحیت رکھتا ہے اور نہ رہبری کی۔

آیت اللہ آذری قمی کی نگاہ میں آیت اللہ خمینی اپنے زمانے میں فقیہ اعلم، مرجع تقلید اور ولی فقیہ مطلق تھے۔ آیت اللہ خمینی کی وفات کے بعد آذری قمی کی نظر میں فقیہ اعلم کی حیثیت سے مرحوم آیت اللہ سید محمد رضا گلپائیگانی ولایت رکھتے تھے اور حجت الاسلام والمسلمین سید علی خامنہ ای انتظامی امور میں ان کے معاون کی

حیثیت رکھتے تھے جن پر لازم تھا کہ فقیہ اعلم کی اجازت سے اپنی ذمہ داریاں انجام دیتے۔ انہوں نے اس نکتے کو مجلس خبر گان میں پیش کیا، لیکن حمایت میں کوئی ووٹ نہیں ملا۔ اگلے مرحلے میں انہوں نے آقائے خامنہ ای کی رہبری کو "ضرورت کے عنوان سے" قبول کیا۔

گھر کا بھیدی

رہبری کے ابتدائی پانچ سالوں میں حجت الاسلام والمسلمین خامنہ ای اور آذری قمی کے درمیان نہایت قریبی تعلقات استوار تھے اور اُن کا شمار رہبر کے پرجوش حمایت کنندگان میں ہوتا تھا۔ انہی ابتدائی مہینوں میں انہوں نے دعویٰ کیا تھا کہ ولی فقیہ توحید (عملی) کو عارضی طور پر معطل کر سکتا ہے! اور وجوہات شرعی (خمس، زکات، فطرہ وغیرہ) صرف ولی فقیہ کے لئے مختص ہے۔ ان کے اپنے کہنے کے مطابق اس آخری فتویٰ کا انہیں مادی فائدہ بھی پہنچا تھا۔ مجلس عزا میں قمہ زنی کے حرام ہونے بارے رہبر کے فتویٰ کی مخالفت کو انہوں نے گناہ کبیرہ قرار دیا تھا۔

تبدیلی کا آغاز

آیت اللہ آذری، جنہوں نے آیت اللہ گلپایئگانی کی رحلت کے بعد آیت اللہ اراکی کو مرجع اعلم اعلان کیا تھا، بعد کے سالوں میں حکومتی، اقتصادی و اجتماعی مسائل میں خود کو اعلم جانتے ہوئے اپنا رسالہ علمیہ (نہ کہ رسالہ عملیہ) تدوین کرنا شروع کیا اور 1994ء میں اسے پایہ تکمیل تک پہنچایا، لیکن ان کے توقعات کے برخلاف وزارت اطلاعات و نشریات نے اسے چھاپنے کی اجازت نہیں دی۔ یہ بات آذری قمی پر بے حد گراں گزری۔ اسی کے ساتھ رہبری کی طرف سے دیئے جانے والے مراعات کا دروازہ بھی ان پر بند کر دیا گیا۔ آذری کے افکار پر آخری ضرب اس وقت لگی جب انجمن مدرسین حوزہ علمیہ قم نے مقام رہبری کو "جائز التقلید" مجتہدین میں سے ایک ہونے کا اعلان کرتے ہوئے انہیں مراجع تقلید کی صف میں لا کھڑا کر دیا۔

جزوی مجتہد

آذری قمی کی نگاہ میں، اس زمانے میں آقائے خامنہ ای زیادہ سے زیادہ "جزوی مجتہد" تھے، اجتہاد کا ایک ایسا درجہ جس کی تائید صرف رہبری کے لئے کی گئی تھی اور یہ اعزازی ڈاکٹریٹ کی ڈگری کی طرح تھی کہ جس کے ساتھ کوئی شخص طبابت نہیں کر سکتا۔ علاوہ ازیں مرجعیت اور فتویٰ کے لئے فقہ میں "اعلمیت" لازمی ہوتی ہے، اور آذری قمی کی نظر میں حجت الاسلام والمسلمین خامنہ ای فتویٰ کے لئے لازم فقہی اعلمیت کا حامل ہونا تو درکنار یقیناً مجتہد مطلق بھی نہیں تھے۔ اس زمانے میں وہ مرحوم آیت اللہ محمد تقی بہجت کو اعلم الفقہاء جانتے تھے۔ لہٰذا جب انہوں نے اپنے خدشات کا اظہار کیا تو ان پر اعتراض کیا گیا کہ انہوں نے مقام رہبری کی توہین کی ہے۔ جواب میں انہوں نے واضح الفاظ میں اعلان کیا کہ جس طرح آیت اللہ بہجت سے رہبری کو سلب کرنا اُن کی توہین نہیں، اسی طرح حجت الاسلام والمسلمین خامنہ ای سے مرجعیت کو سلب کرنا بھی ان کی توہین شمار نہیں ہوتی۔

کھلا خط

آیت اللہ آذری کو جب پتہ چلا کہ آیت اللہ منتظری نے 1994ء میں حجت الاسلام والمسلمین خامنہ ای کو خفیہ طور پر ایک پیغام کے ذریعے متنبہ کیا تھا کہ "آپ صرف رہبری پر اکتفا کریں اور فتویٰ کے کام کو اس کے قابل افراد پر چھوڑ دیں۔" تو انہوں نے عالی قدر فقیہ کے اس خصوصی پیغام کو اُس وقت کے صدر مملکت حجت الاسلام سید محمد خاتمی کے نام ایک کھلے خط میں برملا کر دیا۔ اس تاریخی خط میں آذری نے مقام رہبری کی مرجعیت کا انکار کرتے ہوئے ایک دفعہ پھر اجتہاد مطلق سے فاقد ہنگامی رہبری کے نظریئے اور فقہی اعلمیت کی رعایت کی ضرورت پر تاکید کی۔ اس کے علاوہ وزارت خفیہ امور کی طرف سے آقائے خامنہ ای کی ناحق مرجعیت کو تقویت دینے، باقی مقبول مراجع کی شہرت کو سبوتاژ کرنے اور ان پر ڈالے جانے والے دباؤ کی تفصیل بیان ہوئی تھی۔

اس خط کے منظرِ عام پر آتے ہی انجمن مدرسین نے اپنے دو اعلامیوں میں انجمن کے شریک بانی اور صدر پر نام لئے بغیر شدید حملہ کیا اور کچھ ہی دنوں بعد مدرسہ فیضیہ میں آیت اللہ آذری قمی کی درس پر حملہ کیا گیا اور "مرگ بر ضد ولایت فقیہ" (ولایت فقیہ کا مخالف مردہ باد) کے نعروں کے ساتھ درس کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے روک دیا گیا، آذری قمی کے ساتھ شدید بدتمیزی کی گئی، ان کی گاڑی کے شیشے توڑے گئے اور ایک برہانِ محکم! کے ساتھ ولی فقیہ پر تنقید کرنے کا انہیں مزہ چکھایا گیا۔

مرجعیت کی رسوائی

اس کھلے خط کے میڈیا پر آنے کے دو ہفتے بعد، آیت اللہ منتظری نے 13 رجب کی اپنی تاریخی تقریر میں صریح الفاظ میں حجت الاسلام والمسلمین خامنہ ای سے کہا کہ اولاً "آپ مرجعیت کے حدود سے دور ہو" اور انجمن مدرسین اور وزارت خفیہ امور نے آپ کو مرجع تقلید کہہ کر "شیعہ مرجعیت کو رسوا کیا ہے"، ثانیاً، معتبر روایات کے مطابق ولایت فقیہ کے لئے "فقہی اعلمیت" لازمی شرط ہے اور حجت الاسلام والمسلمین خامنہ ای یقیناً رہبری کے لئے لازم شرائط سے فاقد ہیں۔ اس تقریر کے بعد آذری قمی نے آیت اللہ بہجت اور آیت اللہ منتظری دونوں کی اعلمیت کی حمایت کرتے ہوئے رہبر کو فقہی امور میں ان دونوں سے اجازت لینے کا ناکام مشورہ دیا۔

عوامی احجاج کا ڈرامہ

آیت اللہ منتظری کی اس تقریر کے پانچ دن بعد سپریم کورٹ کے جج آیت اللہ محمد یزدی کی ایما پر حکومتی اہلکاروں نے "عوامی احتجاج" کا ڈرامہ رچاتے ہوئے آیت اللہ منتظری کے گھر اور درسگاہ اور آیت اللہ آذری قمی کے دفتر پر دھاوا بول دیا، اور دونوں کے خلاف "خوارج"، "دین فروش" اور "خائن" وغیرہ جیسے سوقیانہ نعرے لگاتے ہوئے توڑ پھوڑ اور غارتگری کا بازار گرم کرنے کے بعد درسگاہ پر ناجائز قبضہ جما لیا۔ بعد ازآں، ملک کی آئین کو روندتے ہوئے سپریم نیشنل سکیورٹی کونسل کے حکم سے دونوں مجتہدین کو اس بہانے سے اپنے گھروں میں نظر بند کر دیا گیا کہ ولایت کے دیوانوں کی طرف سے ان کی جانوں کو شدید خطرہ ہے۔

ملاراج یا مولویوں کی حکومت کیوں درست نہیں؟

آقائے محمد کاظم خراسانی، المعروف آخوند خراسانی، 1894ء سے 1911ء میں اپنی وفات تک اہل تشیع کے سب سے بڑے فقیہ مانے جاتے رہے۔ آپ اپنے علمی مقام کی وجہ سے آخوند، یعنی سب سے بڑا عالم، کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ آپ کی کتاب "کفایۃ الاصول" مشہور ترین کتابوں میں سے ہے جس کی چار سو شرحیں لکھی جاچکی ہیں۔

آخوند خراسانی 1907ء میں ایشیاء کے سب سے پہلے جمہوری انقلاب کے بانیوں میں سے بھی ہیں، جس کے نتیجے میں ایران میں ایک جمہوری حکومت قائم ہوئی۔ آخوند خراسانی نے انقلاب کی کامیابی کے بعد کوئی حکومتی اختیار قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ 1911ء میں اس نوزائیدہ جمہوریت کو روس اور برطانیہ کے حملے کا سامنا کرنا پڑا۔ 1915ء میں جنگ عظیم اول چھڑ گئی اور اس کے بعد 1920ء میں رضا خان پہلوی نے مارشل لا لگا کر ایران میں دوبارہ بادشاہت قائم کر دی۔

یہ مضمون آخوند خراسانی کے اپنے شاگرد علامہ نائینی کے سوالوں کے جوابات پر مبنی مکالمے کا خلاصہ ہے جس میں وہ جمہوریت کے حق میں اپنے دلائل بیان فرماتے ہیں۔ مفصل گفتگو کا فارسی متن اکبر ثبوت صاحب کی کتاب "دیدگاہای آخوند خراسانی و شاگردانش" میں پڑھا جاسکتا ہے۔ آخوند خراسانی کی طرف سے پیش کردہ اکیس دلائل کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱۔　اگر ایران میں شیعہ علماء نے حکومت پر قبضہ کیا تو دوسرے مسالک و مذاہب میں بھی یہ رجحان پیدا ہو گا کہ وہ بھی اپنی متعصب دینی حکومتیں بنائیں اور اس طرح پورا خطہ مذہبی جنگوں اور فرقہ وارانہ قتل وغارت کی لپیٹ میں آجائے گا۔

۲۔ جب علماء حکومت میں قدم رکھیں گے تو اپنے نقائص کو نہیں دیکھ سکیں گے اور ان کی توجیہ کریں گے اور حکومتی خرابیوں کو نظر انداز کریں گے۔

۳۔ مسند علماء خرابیوں سے مقابلے کی مسند ہے، اور حکمرانی کی مسند خرابیوں سے آلودہ ہوتی ہے۔ علماء حکومت کرنے لگے تو خرابیوں کا مقابلہ کرنے والی مسند ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گی اور علماء بھی فاسد ہو جائیں گے۔ وائے ہو اس روز پر جب نمک ہی خراب ہو جائے (فارسی ضرب المثل ہے کہ جب کوئی چیز خراب ہو تو اس کو نمک لگاتے ہیں، اور اگر نمک ہی خراب ہو جائے تو اس کا کوئی علاج نہیں)۔ اگر ہم فاسد و خراب نہ بھی ہوئے تو پھر بھی سب خرابیاں علماء کی گردن میں ڈالی جائیں گی اور یوں دین تباہ ہو جائے گا۔

۴۔ حکومت چلانے کا علم اور سیاست ایک باقاعدہ علم اور ہنر ہے اور علما اس علم و ہنر سے مکمل طور پر نابلد ہیں۔ علم و تجربے اور ہنر کے بغیر اس شعبے میں داخل ہونا علماء کی رسوائی کا باعث بنے گا۔ صرف علماء کا نیک ہونا دلیل نہیں کہ وہ ہر علم و ہنر کو جانتے ہیں۔

۵۔ ہمارا مقصد اور آرزو یہ ہے کہ حکومت دین کی پیروی کرے درحالیکہ اگر ہم نے حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی تو دین کے حکومت کی پیروی کرنے جیسے امر کا شکار ہو جائیں گے۔ (مثلاً حفظِ نظام کو اوجب سمجھنا، اور نص کو مصلحتِ نظام پر قربان کرنا۔(

۶۔ چونکہ لوگ ہمیں امام زمانہ علیہ السلام کا نائب سمجھتے ہیں اس لئے ان کو یہ توقع ہے کہ ہم امام مہدیؑ کی حکومت جیسے حالات پیدا کریں۔ جب ہم اس سطح پر عدالت کو برقرار نہ کر پائے تو امام زمانہؑ اور دین سے متعلق ان کا عقیدہ کمزور پڑ جائے گا۔

۷۔ ابھی ہمارے پاس حکومتی عہدے نہیں ہیں تو اس قدر آپس کے جھگڑے ہوتے ہیں۔ اگر ہم حکومت تک پہنچ گئے تو یہ اختلافِ نظر دین کے کئی حصوں میں تقسیم ہونے اور کئی نئے فرقے بننے اور دین کے نقصان کا باعث بنے گا۔

۸۔ ہمیں فقط علمِ فقہ کا علم ہے۔ چونکہ ہم اچھے فقیہ ہیں تو یہ اس کی دلیل نہیں کہ دیگر علوم، جیسے اقتصادیات اور سیاست وغیرہ، میں بھی ماہر ہوں۔ علمِ فقہ اپنے موضوع کا علم ہے جس کا معاشرے کو چلانے اور اس کے مسائل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

۹۔ اسلام کو کئی صدیوں سے حکومتِ اسلامی نے نہیں سنبھالا بلکہ اسلام کو حوزہ علمیہ و مدارس نے سنبھالا ہوا ہے۔

۱۰۔ ابھی ہمارے ہاتھ حکومت نہیں آئی تو ہمارے قریبی لوگ کیا کچھ نہیں کرتے۔ وائے اس روز پر جب حکومت ہمارے ہاتھ میں آجائے۔ جب ہمارے پاس حکومت ہوگی، تو ہمارے رشتہ دار اس موقع کا ناجائز فائدہ اٹھائیں گے اور مرجعیت و دین اسلام کی رسوائی کا باعث بنے گے۔ اس وقت لوگ ان کے ایسے کاموں کو ہمارے حساب میں لکھیں گے۔

۱۱۔ جن کے پاس حکومتی عہدے ہوتے ہیں، وہ جھوٹ و فریب اور غلط کو اپنے کام اور پیشے کی پہلی ضرورت سمجھتے ہیں، اور شاید بعض اوقات ان کے کام جھوٹ کے بغیر چل بھی نہیں سکتے، اور ممکن ہے بعض اوقات بہت اہم مصلحتوں کی وجہ سے ان کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہو۔ چونکہ ان عہدوں کی وجہ سے جھوٹ سے مکمل پرہیز ان کے لئے ناممکن ہے اس لئے علمائے دین کو ان عہدوں سے بچنا چاہیے۔ کیونکہ اگر سچائی و صحیح بات کی مکمل پابندی کریں تو ان کے کام نہیں چل سکیں گے۔ اگر یہ چاہیں کہ دوسرے سیاستدانوں کی طرح جہاں چاہیں جھوٹ بولیں، تو اس کام کے دو خطرے ہیں:

ایک یہ کہ آہستہ آہستہ جھوٹ کی برائی ان کی نظر میں ختم ہو جائے گی اور صداقت کی پابندی دیگر کاموں میں بھی کمزور ہو جائے گی۔ یہ کام سب کے لئے برا ہے لیکن عالم دین کے لئے سب سے زیادہ برا اور بہت ہی خطرناک ہے۔

دوسرا یہ کہ جب عام لوگ دیکھیں گے کہ علمائے دین ہر بہانے سے اگرچہ وہ درست ہی کیوں نہ ہو، متعدد مواقع پر جھوٹ بولتے ہیں تو آہستہ آہستہ ان کے لئے یہ شبہ پیدا ہو گا کہ کہیں ایسے تو نہیں دیگر امور جیسے احکام الٰہی اور دینی و مذہبی عقائد میں بھی کسی وجہ سے، اگرچہ وہ وجہ درست ہی کیوں نہ ہو، وہ جھوٹ بولتے ہیں تو اس وقت عام لوگوں کے ذہنوں میں یہ خیال پیدا ہونا ہی بہت خطرناک چیز ہے۔ اس کے نتیجے میں لوگوں میں دینی آداب و مبادی سے متعلق بے عقیدتی پیدا ہو گی۔

۱۲۔ جب تک عوام یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے عمل اور جدوجہد کا مقصد صرف ظلم کو کم کرنا اور کرپشن کے دائرے کو تنگ کرنا ہے۔ ہمارا ارادہ دنیوی غلبہ، منصب یا مراعات حاصل کرنے یا کسی خاص فرد یا گروہ کو اقتدار یا مرتبے تک پہنچانے کا نہیں ہے۔ جب تک لوگ ہمیں اس طرح جانتے رہیں گے، وہ یقین کریں گے کہ ہم اپنے اعمال میں مخلص ہیں اور ہمارے اعمال صرف خدا کے لئے ہیں۔ اور اسی یقین کی وجہ سے وہ ہمارے پیچھے چلیں گے۔ ہماری ضروریات اور مشکلات کو اپنی ضروریات اور مشکلات سے بھی زیادہ اہم سمجھیں گے۔ ہمارا ساتھ دینے اور ہمارے مقاصد کے حصول کی خاطر وہ دل اور جان کے ساتھ سخت محنت کریں گے اور ہر قسم کی مشکلات کو تحمل کریں گے اور قربانیاں دیں گے۔ لیکن اگر وہ محسوس کرنے لگے کہ ہم اقتدار کی جنگ میں داخل ہو چکے ہیں اور ہمارا مقصد خود دنیاوی غلبہ، منصب اور مراعات حاصل کرنا ہے۔ تا کہ ہمارے اقربا اور رشتہ دار دنیاوی اقتدار، مرتبے اور مراعات تک پہنچ جائیں، تو ہماری نیتوں کے اخلاص پر ان کا یقین کمزور ہو جائے گا

اور نا صرف یہ کہ وہ سنجیدگی سے ہمارا اور ہمارے مقاصد کا ساتھ نہیں دیں گے اور اس راہ میں کوشش اور قربانی دینے کے لئے تیار نہیں ہوں گے، بلکہ آہستہ آہستہ وہ سیاست کی دنیا میں ہمیں اور ہمارے حریفوں کو ایک آنکھ سے دیکھیں گے اور آخر کار معاملہ اس مقام پر پہنچ جائے گا کہ نا صرف وہ ہمارے مخالفین بلکہ مذہب کے مخالفین سے بھی جا ملیں گے۔

۱۳۔ دنیاوی اموال و اقتدار کے ساتھ وابستگی ایک بہت عظیم پردہ ہے جو ہمیں حقیقت کو دیکھنے اور اس کے مشاہدے اور خدا کے حکم کو سمجھنے سے روک سکتا ہے۔ کیا یہ ٹھیک ہے کہ میں حقیقت کو جاننے کی راہ میں موجود رکاوٹوں کو کم کرنے کے بجائے اپنے لیے بہت زیادہ اور بہت بڑی رکاوٹیں پیدا کروں، تاکہ دانستہ اور نادانستہ طور پر احکام الٰہی کے استنباط میں ان رکاوٹوں سے متاثر ہو جاؤں، اور صحیح احکام تک پہنچنے اور ان کا اظہار کرنے کے بجائے اپنی وابستگیوں اور خواہشات کا جواز پیش کرنا شروع کروں؟ کیوں نہ میں مقام و منصب سے اپنے لگاؤ کو جو میرے اور ہر انسان کے اندر رہے اور صدیقین کے دلوں سے نکلنے والی آخری چیز ہے، کو قابو میں رکھوں؟

۱۴۔ پندرہ سال پہلے سید جمال الدین افغانی اسد آبادی کہا کرتے تھے: "جدیدیت (Modernity) کا سیلاب مشرق کی طرف تیزی سے آ رہا ہے۔ حکومتِ مطلقہ (بادشاہت) کی بنیاد فنا ہونے والی ہے۔ آپ مطلق العنان حکمرانی کی بنیاد کو تباہ کرنے کی جتنی کوشش کر سکتے ہیں کریں۔" میں اگرچہ سیاست کی دنیا میں سید کی بعض باتوں اور پالیسیوں سے متفق نہیں ہوں، لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ ان کی یہ بات بلکل درست ہے، اور نا صرف یہ آج سچ ہے، اور پندرہ سال پہلے سچ تھی، بلکہ ایک صدی پہلے بھی سچ تھی۔ ہمیں سو سال پہلے (1800 کے عشرے میں) اس حقیقت کو سمجھ لینا چاہیے تھا کہ مطلق العنان حکمرانی کی بنیاد تباہ ہونے والی ہے اور اس حقیقت کو سمجھتے ہوئے ہمیں خود مطلق العنان حکومت، جو کہ

خرابیوں (کرپشن) اور بے شمار مظالم کی جڑ ہے، کے خلاف جدوجہد کرنے والوں کا علمبر دار بننا چاہیے تھا اور ظلم و خرابی (کرپشن) کو کم کرنے کے لیے ہمیں حکمران کے اختیارات کا دائرہ محدود کر دینا چاہیے تھا اور مطلق العنان حکومت کے بجائے قانون کی پابند حکومت قائم کرنی چاہیے تھی۔ لیکن اس معاملے میں ہم نے اتنی دیر کر دی کہ تقریباً سو سال کے انتہائی تلخ ایام اور بدترین حالات گزارنے کے بعد، اب عقلا نے مطلق العنان حکومت کی وجہ سے ہونے والے نقصانات کو کم کرنے کے بارے میں سوچنا شروع کیا ہے۔ اس کے بعد انہیں چاہیے کہ وہ اس کام سے پرہیز کریں کہ تمام حکومتی اختیارات ایک جگہ پر جمع ہو جائیں اور حکومت جو کام بھی کرے اس سے متعلق اس سے باز پرس ہو۔ وہ حکومتی اختیارات کو تقسیم کر کے ان کو عوام کے زیر نظر قرار دیں اور آمر حکمرانوں کے بے شمار و ناجائز اختیارت پر پابندی لگائیں۔ اس تحریک کے مقابلے میں بعض لوگوں نے دین کے نام اور حکومت مشروعہ (اسلامی بادشاہت) کا پرچم اس طرح اٹھایا ہوا ہے جیسا کہ امیر المومنین علی علیہ السلام کے مقابلے میں کچھ لوگوں. نے قرآن کے نسخوں کو نیزوں پر اٹھایا ہوا تھا اور ان کا یہ اصرار ہے کہ حکومت مطلقہ (بادشاہت) کو برقرار رکھا جائے تاکہ ان کے مطابق شریعت کی حد محفوظ رہے۔ جبکہ نہ تو مشروطیت (1907ء کے جمہوری انقلاب) کے قیام سے پہلے اور نہ ہی اس کے دبانے کے بعد (یہاں استبداد صغیر کی طرف اشارہ ہے، 24 جون 1908ء کو شاہ کے شیخ فضل اللہ نوری کی مدد سے تہران میں قتل وغارت کر کے جمہوریت کو ختم کرنے اور ملک بھر کے عوام کے قیام کے بعد 14 نومبر 1909ء کو جمہوریت کے بحال ہونے کے درمیان کی مدت کو ایرانی تاریخ میں استبدادِ صغیر کہتے ہیں)، شریعت اور مقدس الٰہی احکام کی حدود محفوظ نہیں تھیں اور یہ لوگ جو جمہوری حکومت (مشروطہ) کو ختم کرنے اور بادشاہت (مشروعہ) جاری رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں، ان کا مقصد

صرف اور صرف اپنے مفادات کا تحفظ کرنا اور مخلوق خدا کے جان ومال پر اپنانا جائز و مطلق قبضہ جاری رکھنا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ تحریک جمہوریت کا مقصد صرف بادشاہت نامی سرکش گھوڑے کو ہی لگام ڈالنا نہیں، بادشاہ اور اس کے کارندوں کو اپنے ماتحتوں اور عوام پر ظلم وزیادتی اور ناجائز کاموں اور من مانی و جابرانہ حرکتوں سے روکنا ہی نہیں، بلکہ جمہوریت کا مقصد یہ ہے کہ تمام ظالموں، حکمرانوں، صاحبان اختیار و سربراہوں کو کنٹرول کرنا ہے، تاکہ وہ اپنے ماتحتوں اور اپنے جیسوں پر ظلم نہ کرسکیں، اور لوگوں سے رشوت و بھتہ اور نذرانے نہ لے سکیں۔ ہاں جمہوری نظام کا حتمی مقصد یہ ہے کہ تمام ظالموں کے ہاتھ ہر ممکن حد تک باندھ دیئے جائیں تاکہ وہ عوام کے حقوق پامال نہ کرسکیں۔ اگر یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے اور عوام علم اور میدان میں حاضری کے ساتھ اس مرحلے تک پہنچ جاتے ہیں کہ ظلم کسی بھی لباس میں ان پر حکمرانی نہیں کرسکتا، تو ہم ان تباہیوں کا مشاہدہ نہیں کریں گے جو سلطنت کے کارندوں نے ابھی تک کی ہیں اور نہ کسی فردِ واحد کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ قانون سے بالاتر ہو اور قانون ساز بھی خود ہو، عدلیہ بھی خود ہو اور انتظامیہ بھی خود ہو۔

۱۵۔ دنیا میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ مختلف قسم کی بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور مرجاتے ہیں اور کسی کو آپ علماء پر اور آپ کے مذہب پر اس وجہ سے اعتراض نہیں ہوتا کہ اس کی بیماری کا علاج نہیں کر سکے۔ اس لیے کہ آپ نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ آپ کا مذہب بیماریوں سے شفاء کا ذمہ دار ہے، اور مریضوں کا علاج کرنا آپ علمائے دین کے فرائض میں سے ہے۔ اب اگر آپ اپنے دین اور علماء کی عظمت میں اضافہ کرنے کے لیے ایسا دعویٰ کرتے ہیں تو آپ اپنے دین اور اپنے آپ پر بہت بھاری بوجھ ڈالیں گے اور تمام لاعلاج بیماریوں کی ذمہ داری آپ پر اور آپ کے مذہب پر عائد ہوگی۔ یہی حال سیاست کا بھی ہے۔ ہم سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ ہم لوگوں کے تمام دنیوی امور کو منظم طریقے

سے انجام دینے کے لیے بہترین لائحہ عمل پیش کریں اور خود اس منصوبے پر عمل کرانے والے ہوں اور ان کے تمام سماجی، معاشی اور سیاسی مسائل کو حل کریں۔ ان کو ہم سے صرف یہ امید ہے کہ ہم مخلوق خدا کے مصائب و مشکلات اور ان کے ساتھ ہونے والے ظلم و ستم، بد عنوانی اور لوٹ گھسوٹ کے معاملے میں غیر جانبدار نہ رہیں۔

۱۶۔ یہ نظریہ کہ اگر علماء میں سے کوئی ایک حکومت کا سربراہ بن جائے تو دنیا کے حالات بہتر ہو جائیں گے، وہی افلاطون کا نظریہ ہے جو یہ کہتا تھا کہ مدینہ فاضلہ (Utopia) قائم کرنے کے لیے فلسفی کو بادشاہ ہونا چاہیے تا کہ ہر عیب سے پاک معاشرہ بنا سکے۔ ہمارے عقیدے کے مطابق جب تک اقتدار بغیر کسی نقص کے امامِ معصوم کے ہاتھ میں ہو اور اسے اپنے ارادے کو نافذ کرنے میں مزاحمت کا سامنا نہ ہو، تبھی مثالی معاشرہ قائم کرنا ممکن ہے۔ لہذا معاشرے کے حالات کی اصلاح علمائے کرام کے محض قیادت کو قبول کرنے سے ممکن نہیں ہے اور اگر یہ کام ممکن ہوتا تو امام صادق علیہ السلام کو جب حکومت کی سرپرستی کرنے کی پیشکش کی گئی تو وہ اس کو رد نہ کرتے۔ آپ جانتے ہیں کہ جب ابو مسلم خراسانی نے امام صادق علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپ امت اسلامیہ کی قیادت کو قبول فرمائیں اور اجازت دیں کہ آپ کی قیادت میں اسلامی حکومت بنائی جائے تو آپ نے فرمایا: «ما أنت من رجالی ولا الزمان زمانی» نہ تم میرے لوگ ہو اور نہ ہی یہ وقت میرا وقت ہے۔ امام علیہ السلام نے حکومت کی کرسی پر بھروسہ کرنے کے بجائے خدا کے بندوں کی تعلیم اور رہنمائی کے ذریعے، جہاں تک ممکن ہو سکا، عوام کی علمی سطح کو بلند کرنے کے عظیم اقدامات اٹھانے کو ترجیح دی، تا کہ انتظامی حالت اور سماجی نظام میں بہتری لائی جا سکے۔

۱۷۔ ہمیں اپنی پوری تاریخ مرجعیت میں سیاست کی دنیا میں غلط فیصلے کرنے کے دو متوازی طریقوں کا سامنا رہا ہے۔ ایک افراطی (ضرورت سے زیادہ مداخلت) اور دوسرا تفریطی (ضرورت سے کم مداخلت)۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ «لاتری الجاهل إلا مفرطاً أو مفرطا»، آپ جاہل کو افراط یا تفریط کے علاوہ کسی حالت میں نہیں پائیں گے۔ مثال کے طور پر غور کریں کہ سو سال پہلے ہمیں ظلم کا مقابلہ کرنے اور کرپشن کو کم کرنے کے لئے جو کہ ہمارے معاشرے میں اوپر سے نیچے تک پھیلی ہوئی تھی، جدوجہد کرنا چاہیئے تھی، اور اپنے معاشرے کے حالات کو بہتر بنانے کے لیے زیادہ کوشش کرنی چاہیئے تھی۔ قوم کی اصلاح و ترقی کے لئے اہم اقدامات کرنے چاہیئے تھے۔ لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا اور ان اہداف کی خاطر سنجیدہ قدم اٹھانے کے بجائے (1804ء میں) ہم نے طاقتور زارِ روس کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا اور اس کے باوجود کہ ہمیں ایک بار سخت شکست کا سامنا کرنا پڑا ہم نے سبق نہیں سیکھا اور دوسری بار (1826ء میں) وہی غلطی دہرائی۔ اگرچہ ایسے حالات بھی پیش آئے کہ جب روسی دوسرے علاقوں میں اپنی مشکلات میں پھنسے ہونے کی وجہ سے بہتر شرائط پر جنگ بندی کا معاہدہ کرنے کو تیار تھے، لیکن ہم نے ایسے نہیں کیا یہاں تک کہ روسیوں کو ان کی دیگر پریشانیوں سے چھٹکارا مل گیا۔ پھر وہ پوری طرح دل و جان سے ہمارے سامنے آئے اور پوری طاقت سے ہم پر حملہ کیا اور ہمیں اتنی بڑی شکست دی کہ ہمارے ملک کے بیس وسیع ضلعے اپنے قبضے میں لے لئے اور اس جنگ کے بھاری تاوان اور نقصان کا بوجھ ہم پر ڈال دیا اور ہمیں اپنے قونصل خانے کے فیصلوں کا پابند بنا دیا۔ خدا ہی جانتا ہے اس جنگ کی دوسری آفتوں سے ہم کب چھٹکارا پائیں گے۔ اس کے علاوہ اس تباہ کن شکست کی وجہ سے ہمارے علماء جیسے آغا سید محمد (عرف سید مجاہد)، ملا احمد نراقی اور ملا محمد تقی برغانی شدید تنقید کا نشانہ بنے اور بعض اوقات ان کی توہین کی گئی۔ تاہم ہماری غلطی یہ تھی کہ ہم نے انتہائی

خراب داخلی صورت حال کو سدھارنے کی کوشش کرنے کے بجائے دنیا کی دو بڑی طاقتوں میں سے ایک کا مقابلہ دنیا کی سب سے کرپٹ اور سب سے کمزور حکومت کی قیادت اور سرپرستی میں کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور لوگوں میں جنگ کا شوق پیدا کرنے کے لیے، فقہ آل محمد (ص)، معصومین (ع) اور قرآن کریم کے نام پر ہم نے یقینی فتح کا وعدہ دے دیا۔ شکست کے بعد دوست و دشمن کے اعتراضات کا ایک سیلاب ہماری طرف بہہ نکلا کہ ان یقینی وعدوں کے پورا ہونے کے بجائے، وہ بھی خدا، پیغمبر اور ائمہ کے نام سے دیئے گئے وعدے، ہمیں ایسی ذلت آمیز شکست اور عبرتناک نتائج کا سامنا کیوں کرنا پڑا؟

۱۸۔ شیعہ مذہب کی بقاو دوام کا سب سے اہم عنصر جو اس مکتب کو دوسرے اسلامی فرقوں سے ممتاز کرتا ہے، اجتہاد ہے۔ اگرچہ یہ صرف اجتہاد نہیں بلکہ اجتہاد مطلق ہے، کیونکہ چاروں سنی مذاہب میں سے ہر ایک کے پیرو فقہاء بھی اجتہاد کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا اجتہاد ان حدود میں ہوتا ہے جن کا تعین اس فرقے کے رہنما نے کیا ہوتا ہے، نہ کہ بہ صورت مطلق۔ مثال کے طور پر حنفی مسلک کا اجتہاد اور طریقہ ابو حنیفہ کے اجتہاد اور مسلک تک محدود ہے، آزادانہ نہیں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اہل تشیع کے برعکس سنیوں میں آزادانہ سوچ و فکر کرنا اور اجتہاد کیوں نہیں؟ اور ان کے درمیان باب اجتہاد اپنے حقیقی معنی میں بند کیوں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب حکومتیں سنی مذاہب کی سرپرست بنیں تو وہ اجتہاد اور آزاد فکر سے خوفزدہ تھیں اور اسے اپنے حکومتی مفادات اور مصلحتوں کے منافی سمجھتی تھیں تو انہوں نے اجتہاد کا دائرہ تنگ کر دیا اور آزادنہ فکر کرنے کو حرام قرار دیا اور سب کو پابند کیا کہ وہ اپنے اجتہاد و فکر کرنے کے دائرے کو چار اماموں میں سے ایک کے اجتہاد و فکر کے مطابق انجام دیں۔ ہم میں سے بہت سے لوگوں نے بھی اپنے پاس وسیع حکومتی اختیار کے بغیر،

جہاں بھی ضرورت پڑی اور جس حد تک ان کے پاس طاقت اور سہولت تھی، اپنے مخالفین اور اپنی ہی صنف (علماء وفقہاء) کے افراد کی آزادانہ سوچ اور اظہار رائے کو روکا ہے۔ اور اکثر اوقات انہوں نے کوشش کی کہ جو بھی ہمارے نظریات، بلکہ ہمارے مفادات، کے خلاف کوئی بات کہے تو اس کا منہ بند کر دیں اگرچہ وہ علم و تقوی کی کسی بھی سطح کا حامل ہی کیوں نہ ہو۔ اس مقصد کی خاطر ہمارے علماء بھی بارہا اپنے ہی مسلک کے بعض علماء کو کافر اور فاسق قرار دینے کی حد تک گئے ہیں اور ان اقدامات اور طریقوں سے ہم نے اپنے دین و فقہ کو علمی لحاظ سے شدید نقصان پہنچایا ہے۔ ان المناک واقعات کو روکنے کے لیے جتنی بھی توانائی و سہولت ہمیں میسر ہے، اسے بروئے کار لا کر ایسے اقدامات اٹھانے ہوں گے کہ جن سے کوئی بھی رکاوٹ و پابندی اجتہاد اور آزادئ فکر کی راہ میں حائل نہ ہو۔ اس طرح کے اقدامات کرنے کے بجائے ملاؤں کی حکومت بنا کر اقتدار و اختیارات کے دائرے کو وسیع کرنے کی کوشش کرنا اور جو طاقت اس وقت ہمارے پاس ہے اس کو کئی گنا مزید بڑھانا غیر معقول ہے۔ چونکہ اس طرح کرنے سے ایسے ناخوشگوار واقعات کی تعداد میں اضافہ ہو گا اور اس کے منفی نتائج ہمارا اور ہمارے مکتب کا دامن پکڑ لیں گے۔ اور جو کچھ ہم بنا رہے ہیں اسے اپنے ہاتھوں سے خود ہی تباہ کر دیں گے۔

۱۹۔ اس وقت صورتحال یہ ہے کہ عام لوگوں کے لیے مجھ تک پہنچنا کسی اور تک پہنچنے کی نسبت آسان ہے۔ جو کوئی مجھے خط لکھے اور نجف بھیج دے وہ خط مجھ تک پہنچ جاتا ہے۔ جو بھی نجف میں آئے وہ کسی بھی وقت مجھ سے رابطہ کر سکتا ہے۔ اگر میں گھر پر ہوں تو وہ دروازہ کھٹکھٹا کر اندر آ سکتا ہے اور اگر میں مدرسہ، مسجد یا حرم میں ہوں تو مجھ تک پہنچنا اور بھی آسان ہے۔ نہ کوئی دروازہ اور نہ کوئی کنڈی، نہ کوئی دربان، نہ کوئی محافظ، نہ کوئی پیشگی اجازت اور طے شدہ ملاقات، مختصر یہ کہ کوئی بھی مجھ سے کسی

بھی صورت حال میں رابطہ کر سکتا ہے اور کوئی بھی مسئلہ یا مشکل بیان کر سکتا ہے۔ اب اگر میں ایک حکمران کی جگہ لے لوں تو مجھ تک پہنچنا اور مجھ سے ملنا اور بات کرنا کسی اور تک پہنچنے اور اس سے ملنے اور بات کرنے سے زیادہ مشکل ہو جائے گا۔ اس سے میرے اور معاشرے کے بیچ ایک پردہ حائل ہو جائے گا۔

۲۰۔ اگر ہم حکومت پر قبضہ کرنا چاہیں تو حتماً ان سیاستدانوں کو دبانا ہو گا جو ظلم سے نجات اور قومی حکومت کے نعرے کے ساتھ ظلم کے خلاف جدوجہد میں ہمارے ساتھ کھڑے تھے۔ ان کو دبانے کا بلاشبہ عوام پر برا اثر پڑے گا اور کہا جائے گا دیکھا! مذہبی رہنماؤں نے آمرانہ حکومت کے خلاف جدوجہد کے دوران سیاست دانوں اور قومی لیڈروں کی حمایت و نظریات کا استعمال کیا اور جب اقتدار میں آگئے تو اب مکمل اقتدار اور سب اختیارات پر قبضہ کرنے اور مطلق العنان حکومت اور ظلم کو ایک نئی شکل میں باقی رکھنے کے لیے انہوں نے سیاست دانوں اور قومی شخصیات کو دبا دیا ہے۔ یعنی کہ جو کچھ خلیفہ سفاح نے ابو سلمہ اور سفاح کے بھائی منصور نے ابو مسلم کے ساتھ کیا۔

۲۱۔ ہمارے شیخ (شیخ انصاری) علمائے دین کی حکمرانی کو قبول نہیں کرتے، وہ اس کام (علماء کے حکومت کرنے یا بنانے) سے متعلق دلائل میں علمی طور پر ناقابل حل تناقضات کو مدِ نظر رکھنے کے علاوہ یہ بھی جانتے تھے کہ حکومتی عہدے خواہ نخواہ ایسے امور کا باعث بنتے ہیں جن کے نتائج فقیہ کے تقویٰ اور عدالت اور فقیہ کی فقاہت و اجتہاد کے لئے بھی خطرناک ہوتے ہیں، اس لیے وہ فقہاء کی حکومت کے خلاف تھے۔

ماٰخذ: «دیدگاه‌های آخوند خراسانی وشاگردانش»، مصنف اکبر ثبوت، فصل اول، تہران۔

ولایت فقیہ یا ولایت قبیح

ولی فقیہ کو زمین پر خدا کا نمائندہ کہنا اور اسے پیغمبر کے تمام اختیارات کا حامل سمجھنا کیا خدا، دین اور رسول خدا کے ساتھ زیادتی نہیں؟

دنیا کی تاریخ میں دین اور مذہبی اعتقادات کو اقتدار کے حصول کے لئے ہمیشہ استعمال کیا جاتا رہا ہے خواہ وہ قرون اولیٰ ہو، قرون وسطیٰ ہو یا دور حاضر۔ دور قدیم کے فراعنہ خدائی کا دعویٰ کرتے تھے، اسی طرح کلیسا نے ایک طویل عرصہ خدا کے نام پر حکومت کی جو اب زمین بوس ہو چکی ہے یا صدر اسلام کے بعد کے ادوار میں مختلف حکومتیں دین کو اپنے اقتدار کی مضبوطی اور اپنے مخالفین کی سرکوبی کے لئے استعمال کرتے رہے ہیں۔ دور حاضر میں بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ آج کے اس ترقی یافتہ دور میں بھی اقتدار کے بھوکے اپنی حکومتوں کو تقویت بخشنے اور اپنے مخالفین کو نیست و نابود کرنے کے لئے خدا، دین اور پیغمبر خدا ﷺ کو اپنے لئے ڈھال بناتے ہیں۔ جیسے ایران کی نام نہاد اسلامی جمہوری حکومت یا افغانستان میں طالبان کی حکومت کا ناکام تجربہ۔

ایران کے اسلامی انقلاب نے ابتدا میں پوری دنیا کو اور خصوصا دنیائے اسلام کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا جب ایران کے عوام نے اپنے جانوں پر کھیل کر شاہ ایران کو ملک چھوڑ کر جانے پر مجبور کر دیا اور آقائے خمینی اور ان کے حمایتی، حکومت تشکیل دینے میں کامیاب ہوئے۔ دنیائے اسلام نے ایران سے توقعات وابستہ کر لئے جبکہ شیعیان جہان نے ایران کو اپنا قبلہ بنالیا اور اس نام نہاد اسلامی حکومت کے گن گانے لگ گئے۔ لیکن بہت جلد دنیائے تشیع کی امیدوں کا یہ بت بہت دھڑام سے نیچے گرا اور اس کے دھول سے ان کی آنکھیں اٹ گئیں۔ دنیا کے مختلف ملکوں میں تشیع کی طرف تکفیر اور قتل و غارت گری کا ایک ایسا ریلا آیا جس نے تباہی پھیلا دی اور شیعیان آج تک اس کے ملبے تلے سے خود کو نکال نہیں پائے، اُن کے لئے خود کو اس تباہی سے بچانا مشکل ہو چکا ہے۔

اپنی حکومت کو تقدس بخشنے اور اس کی مخالفت کو حرام جلوہ دینے کے لئے جمہوری اسلامی ایران، اپنی رژیم کو خدائی رنگ دیتا ہے اور رہبر کی ولایت کو رسول خدا ﷺ کی ولایت قرار دیتا ہے اور ہر مسلمان کے لئے

بلا چون چرا اس کی اطاعت کو واجب قرار دیتا ہے۔ آقائے خمینی کا درج ذیل مشہور قول ایران میں ہر جگہ نظر آتا ہے خصوصاً تہران کے جامع مسجد جہاں آجکل آقائے خامنہ ای خطاب کرتے ہیں۔ اس مسجد کے ڈائس کے سامنے یہ قول بڑے حروف میں لکھا ہوا ہے اور نیچے آقائے خمینی کے مہر اور دستخط بھی موجود ہیں:

» ولایت فقیہ همان ولایت رسول اللہ ﷺ است « (امام خمینی)

یعنی « ولایت فقیہ عین ولایت رسول اللہ ﷺ ہے »

تیس سال کے عرصے سے ایرانی عوام و شیعیانِ جہاں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھائی جاتی رہی ہے کہ یہ حکومت امام زمانہ کی حکومت ہے لہذا بڑے دھڑلے سے اس رژیم کے لئے جو نام استعمال کیا جاتا ہے وہ یہ ہے:

» نظام مقدس جمهوری اسلامی « یعنی « جمہوری اسلامی کا مقدس نظام »

اس پر مستضاد یہ کہ اس نظام کی مخالفت کو حرام قرار دیتے ہوئے مخالف کو موت کا مستحق قرار دیا جاتا ہے۔ آیت اللہ خمینی کے فرمان پر ایران اور ساری دنیا میں سادہ لوح شیعہ عوام اور علماء بغیر سوچے سمجھے بڑے شد و مد سے یہ نعرہ بھی لگاتے ہیں:

» مرگ بر ضد ولایت فقیہ « یعنی « ولایت فقیہ کا مخالف مردہ باد »

ایران کی اسلامی حکومت اپنے مخالفین کو سرکوب کرنے اور انکی ناک رگڑنے کے لئے ہر طرح کے سلوک کو جائز اور ان کی جان و مال و عزت و آبرو کو اپنے اوپر حلال سمجھتے ہیں، ان کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کرنا عین عبادت اور دین خدا کی خدمت سمجھتے ہیں۔ آقائے مصباح یزدی نے تو حد کر دی، اپنے رسالے میں فرمایا کہ دشمنوں کے بیوی بچوں کو غلام اور کنیز بھی بنایا جا سکتا ہے۔ آج کے اس آزادی و خود مختاری کے روشن دور میں جب کہ ساری دنیا، حتی بقول آقایان، کفار بھی انسانی اقدار، آزادی وغیرہ کے حوالے سے قرار دادیں پاس کرتے پھر رہے ہیں یہ ان آقایان کی حالت ہے۔

آیت اللہ خمینی نے 1360/8/25 شمسی کو ایک سرکاری ادارہ بنیاد شہید کے عہدیداروں سے ملاقات کے دوران اپنی گفتگو میں نظام جمہوری اسلامی کی حفاظت کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے کہا۔

»۔۔۔ حفظ جمہوری-اسلامی از حفظ یک نفر-ولو امام-عصر باشد-اہمیتش بیشتر است؛ برای اینکہ امام-عصر ہم خودش را فدا می کند برای اسلام۔۔۔۔«

یعنی «۔۔۔ جمہوری اسلامی کی حفاظت ایک نفر کی حفاظت سے زیادہ اہم ہے اگرچہ وہ ایک نفر امام زمانہ ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ امام زمان اسلام کے لئے خود کو قربان کرے گا۔۔۔»

پچھلے 37 سال کے عرصے میں جمہوری اسلامی ایران نے اسلام کے نام پر احکامِ اسلامی اور حقوقِ انسانی کے تمام معیاروں کو پامال کیا اور ایک آمرانہ حکومت کی شرمناک مثال قائم کی، اس لئے اس حکومت کو اسلامی کہنا، اسلام کی توہین ہے۔ امام زمانہؑ اسلام پر اپنی جان ضرور نچھاور کرے گا لیکن جمہوری اسلامی اپنی سیاہ کارکردگیوں کی وجہ سے یقیناً ان کی نظر میں معتوب ہو گی۔ پس اگر امام زمان (ع) اس نظام کی مخالفت کرے گا تو نعوذ باللہ یہ لوگ امامؑ کو فدائے جمہوری اسلامی کریں گے!!؟؟

آیت اللہ خمینی کے درج ذیل اقوال بھی اس سلسلے میں قابل توجہ ہیں۔

» -برای حفظ نظام اگر لازم شد، احکام اسلامی ہم می توانند معلق شوند «

یعنی « نظام کی حفاظت کی خاطر اگر لازم ہو تو احکام اسلامی کو بھی معطل کیا جاسکتا ہے »

» -حفظ نظام از اوجب واجبات است «

یعنی « نظام کی حفاظت تمام واجبات سے واجب تر ہے »

آیت اللہ خمینی کے اس قول سے حوصلہ پاکر آج ایران کے بعض مراجع، اعلیٰ فوجی، اور سرکاری اداروں کے سربراہان اپنی تقریروں، نجی اور سرکاری نشستوں میں درج ذیل بدعتی قول اپنی نوک زبان پر رکھتے ہیں:

» حفظ نظام از نماز ہم واجب تر است «

یعنی « نظام کی حفاظت نماز سے بھی واجب تر ہے »

ذیل میں بعض فارسی اخبارات کے سطروں کا عین اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

1۔ آیت اللہ نوری ہمدانی نظام کی حفاظت کو ایک اہم موضوع قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: نظام کی حفاظت دوسرے واجبات جیسے نماز و روزہ سے واجب تر ہے اور یہ انقلاب امام زمانہ (عج) کے ظہور کی تیاری ہے۔www.salam-aqa

2۔ امام حسین یونیورسٹی کے کمانڈر جنرل مرتضیٰ صفاری نے سامراجی سازشوں کے درمیان نظامِ جمہوری اسلامی کی حفاظت کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: نظام اسلامی کی حفاظت نماز سے بھی واجب تر ہے۔ http://nedayeurmia.ir/

3۔ نظام کی حفاظت نماز سے بھی واجب تر ہے: سپاہ پاسداران کے کمانڈر نے فتویٰ دیا۔ پاسدار بریگیڈیئر محمد علی جعفری اپنے تازہ ترین بیانات کی روشنی میں ایک فوجی آفیسر کم اور ایک عالم دین زیادہ دکھائی دیئے۔ انہوں نے فتویٰ دیا کہ جمہوری اسلامی کی حفاظت کی خاطر نماز تک کو بھی چھوڑا جاسکتا ہے۔

http://www.ettelaat.net/

آیت اللہ خمینی ایک زمانے میں یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ سلطنت کے خلاف علم بغاوت اٹھانا حرام ہے۔ یہ بات انہوں نے انقلاب سے 25 سال پہلی کہی تھی لیکن بعد میں وہ خود اس بغاوت کے علمبردار بن گئے۔ (مہدی خلجی: اندیشہ ٹی وی کے ساتھ گفتگو)

ایک زمانے میں جب شاہ ایران نے انقلابِ سفید کے نام سے عورتوں کو ووٹ کا حق دینا چاہا تو آیت اللہ خمینی نے کہا کہ اسلام میں عورتوں کا ووٹ ڈالنا حرام ہے۔ انقلاب کے بعد ریفرنڈم میں ووٹوں کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے کہا کہ عورتیں گھروں سے باہر نکل کر ووٹ ڈالیں اور اسلام کی تقویت کا سبب بنیں۔ (مہدی خلجی: اندیشہ ٹی وی کے ساتھ گفتگو)

حکومت ایران اور ولایت فقیہ کے حمایتی، ایک خطاکار و گنہگار اور ظالم انسان کو بڑے فخر سے ولی امر کا خطاب دیتے ہیں اور اس خطاب کو پورے عالم اسلام میں فروغ دینے کے لئے اپنے تمام وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے نظر آتے ہیں:

» ولی امر مسلمین جهان امام خامنه ای «

یعنی « مسلمین جہان کے امور کا سرپرست امام خامنہ ای »

یاد رہے کہ انقلابی حضرات ولی امر سے مراد سرپرست، حاکم، نگہبان اور مومنین کے جان و مال پر اولیٰ بالتصرف لیتے ہیں اور ولی امر کو آیہ شریفہ أَطِيعُوا اللّٰهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ کا مصداق سمجھتے ہیں۔ اس نظام کے بانیان اور اس کے پیروان اپنے رہبر کو اللہ اور رسول کی صف میں قرار دیتے ہیں۔ یعنی جس طرح اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت مسلمانوں پر واجب ہے، اسی طرح ولی امر کی اطاعت بھی ان پر واجب ہے۔ ان کے لئے ضروری ہے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کی طرح ولی امر کی اطاعت و فرمانبرداری کریں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ولی امر کی اطاعت نہ کرنے والا خدا اور رسول کی اطاعت سے بھی خارج ہوتا ہے۔ آقائے خامنہ ای کے بے بنیاد اور خطرناک فتووں میں سے ایک فتویٰ یہ ہے کہ اجتماعی و سیاسی مسائل میں نہ صرف عام مسلمان ولی امر کی اطاعت کا پابند ہے بلکہ مجتہدین عظام پر بھی ان کی اطاعت واجب ہے۔

یہ جملہ بھی جمہوری اسلامی کے خالی خولی اور بے بنیاد نعروں میں سے ایک ہے جسے دیکھ کر اور سن کر ایک دیانتدار انسان سوچ میں پڑ جاتا ہے:

» دیانت ما عین سیاست ما است «

یعنی « ہماری سیاست ہی ہمارا دین ہے »

ہماری مشکلات کا ایک راز یہی نعرہ ہے۔ جب ہم سیاست کو ہی ہمارا دین قرار دیں تو سیاست کی یہ خصوصیت ہے وہ گرگٹ کی طرح ہمیشہ رنگ بدلتی ہے، سیاست ہمیشہ متغیر اور متلون ہے، سیاست میں اونچ نیچ پائی جاتی ہے۔

دیانت جو کہ سکینہ قلب کا باعث ہے جب ہم اس کو روزمرہ کی سیاست کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں تو اس وقت سیاست کی تمام آفتوں کا رخ دیانت کی طرف مڑ جاتا ہے، اور متاسفانہ ایسا ہو چکا ہے اور آج اس کی نشانیاں ہم اپنے معاشرے میں ہر طرف دیکھ رہے ہیں۔

انہی مسائل کی وجہ سے آج روشن خیال دینی مفکرین اس حتمی نتیجے پر پہنچ چکے ہیں کہ اعتقاداتِ دینی کو محفوظ رکھنے کا بہترین راستہ سیکولریزم ہے، یعنی وہ میدان سیاست کو میدان اعتقادات سے جدا دیکھنا چاہتے ہیں اور کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دینا چاہتے کہ اپنی دینی تفوق اور برتری کی وجہ سے سیاست و حکومت کو صرف اپنا حق سمجھے، انہیں سیاست میں آنے کا حق ضرور ہے لیکن باقی لوگوں سے وہ برتر نہیں بلکہ سب مساوی ہیں، انہیں فقیہ، عالم یا دیندار کے عنوان سے دوسروں پر کوئی امتیاز اور برتری حاصل نہیں۔ کسی کے امتیاز و اعتبار کا فیصلہ صرف عوام کے ہاتھ میں ہے اور یہ عوام کی رائے ہے جو اس بات کا تعین کرنے والا ہے۔

اگر کوئی اس خام خیالی میں مبتلا ہے کہ خدا نے سیاست اور دنیاوی حاکمیت کے سلسلے میں کسی شخص یا گروہ کو کسی قسم کی برتری دی ہے تو وہ قدیم زمانوں کے توہمات میں گرفتار ہے۔ خدا نے کسی کو بھی سیاست کے میدان میں برتری و فوقیت نہیں دی ہے۔ ایران معاصر میں جمہوری اسلامی کی وجہ سے دینی تفکر اور عمل میں جو رخنہ و خلل پیدا ہوا ہے اور دین کو جو نقصان پہنچا ہے تاریخ کے کسی بھی دور میں نہیں پہنچا، اور یہ ایک نہایت تلخ مسئلہ ہے۔ لہذا ہمیں چاہئے کہ پورے وثوق کے ساتھ حکومتی اداروں اور دینی و اعتقادی میدانوں میں جدائی پر یقین رکھیں۔ ولایت مطلقہ فقیہ اور حکومت اسلامی اسلام، ایمان اور اخلاق کے بنیادی اصولوں کے لئے نہایت نقصان دہ ہیں۔

انسان کے صدیوں کے تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں آج روشن خیال دینی مفکرین اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس مسئلے کا واحد حل ایک ایسی سیکولر حکومت ہے جس میں دین کا ادارہ حکومت کے ادارے سے جدا ہو۔ اس سیکولر

حکومت کی درج ذیل پانچ خصوصیات ہوں گی:

1۔ یہ حکومت زمینی اور انسانی حکومت ہو گی نہ کہ آسمانی اور قدسی۔

2۔ یہ حکومت عرفی عقلی قوانین کا نافذ کنندہ ہو گی شریعت کا نہیں۔

3۔ اس حکومت میں علماء، فقہاء اور مفتیان کو کسی قسم کی امتیازی حیثیت حاصل نہ ہو گی۔ یعنی علماء، فقہاء اور مفتیان کو اس سلسلے میں کوئی امتیازی حق حاصل نہ ہو گا

4۔ یہ حکومت تمام مذاہب اور فرقوں کو ایک ہی نظر سے دیکھے گی۔ یعنی نہ کسی خاص دین و فرقہ کی حمایت کرے گی اور نہ ہی کسی کی مخالفت۔

5۔ اس حکومت کا کوئی مذہب ہو گا یا نہیں یا سرکاری مذہب کیا ہو گی یہ ایک قابل بحث موضوع ہے۔

آقائے سیستانی کی ایران میں خرافات کی ترویج پر تنقید

ایرانی یونیورسٹیوں میں انسانی علوم (humanities) کی نصابی کتب کے انچارج جناب ڈاکٹر احمد احمدی نے 22 جون 2013ء میں حضرت آقائے سیستانی سے ملاقات کی تو آقائے سیستانی نے ملک میں ان علوم کی حالت کے بارے میں اپنی تشویش کا اظہار کیا۔ انہوں نے فرمایا:

"دینی مسائل پر تحقیق کرنا اور نتائج کو یونیورسٹیوں اور انتظامی شعبوں میں لے جانا بہت مشکل کام ہے۔ کیا شرائع، لمعہ، مکاسب اور جواہر جیسی کتابیں پڑھنے والا طالب علم جج کی کرسی پر بیٹھ کر قانونی اور عدالتی کام سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے؟ میں ایران کی عدالتوں کے مسائل سے آگاہ ہوں۔ مسائل پر جامع اور دوسروں کی آراء کو مدنظر رکھ کر تحقیق کرنی چاہئے اور پھر انکو پوری طرح سمجھنے کے بعد ہی اپنی فقہی اور قانونی رائے کا اظہار کیا جائے۔"

پھر انہوں نے کہا: "انسانی علوم میں بحث و تحقیق اور تحولات کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ وہ عملی شکل میں نافذ ہونے کے قابل بھی ہو اور درسگاہوں سے معاشرے تک پہنچے اور کوئی مثبت تبدیلی لائے، ورنہ اس کا کیا فائدہ؟ مثلاً ملا صدرا کا فلسفہ پڑھانے کا آج تک کیا فائدہ ہوا ہے جس میں محی الدین ابنِ عربی کی انحرافی آراء کی آمیزش ہے اور قیامت کے بارے اسکا عقیدہ بھی درست نہیں ہے؟"

آقائے سیستانی نے ایرانی معاشرے میں ایک طرف منبروں سے مہدویت کے نام پر خوابوں اور پیش گوئیوں جیسی خرافات کی ترویج اور دوسری طرف یونیورسٹیوں میں جدید علوم کی تدریس سے پیدا ہونے والے دو مختلف فکری دھاروں کے ملاپ کے بارے میں تشویش اور پریشانی کا اظہار کیا اور کہا کہ ان دونوں سوچوں کو کب تک ساتھ ساتھ چلایا جا سکے گا؟

ڈاکٹر احمدی کے بقول ملاقات تقریباً 40 منٹ تک جاری رہی اور بدقسمتی سے ہم جہاز پکڑنے کی جلدی میں تھے اور انہوں نے ہماری عجلت کو سمجھ لیا تھا، ورنہ وہ ان باتوں کو مزید طول دیتے کیونکہ ان کے چہرے پر بہت زیادہ پریشانی کے آثار تھے۔ ملاقات ختم ہوئی اور ہم گرمجوشی سے الوداع کہہ کر دعائیں لیتے ہوئے باہر نکل آئے۔ لیکن اس ملاقات کی یاد اور وہ علم، شائستگی، تقویٰ، اجتہاد، درد اور ہمدردی کا پیکر ہمارے حافظے سے کبھی نہیں مٹ سکے گا۔

کتاب "آیت اللہ سیستانی و عراقِ جدید" کے باب "آیت اللہ ضدِ خرافہ" میں آقائے سیستانی سے جناب مولانا مسیح مہاجری کی ملاقات کی روداد میں آیا ہے:

میں نے آیت اللہ سے کہا: ایران توہمات میں گھرا ہوا ہے اور کم تعلیم یافتہ اور دولت کمانے کے خواہشمند خطیبوں کے بڑھ جانے سے انحرافی نظریات اور ضعیف الاعتقادی عروج پر ہے۔ آیت اللہ سیستانی نے مزید کچھ سنے بغیر اپنی گفتگو کا آغاز کر دیا، گویا وہ پہلے سے تیار بیٹھے تھے اور صورتحال کو مکمل طور پر سمجھ رہے تھے۔ انہوں نے کہا:

"یہ صورت حال تم لوگوں نے خود پیدا کی ہے۔ ہاں، آپ لوگوں نے مشہور کیا کہ آقائے بہاالدینی یوں ہیں، ووں ہیں۔ عارفوں کی کرامتیں تم لوگوں نے خود پھیلائیں۔ میں خود قم میں رہ چکا ہوں اور مجھے ان باتوں کا علم ہے اور جب میں یہاں ہوں تو بھی میں وہاں چھپنے والی کتابیں دیکھتا رہتا ہوں۔ وہاں مختلف بزرگوں سے منسوب کرامات کی کتابیں پڑھی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ آپ نے ہی ملک کو اس برے حال تک پہنچا دیا ہے۔ جمکران کو تم لوگوں نے خواہ مخواہ ہی اتنا اہم مقام بنا دیا ہے۔ منبر سے عجیب و غریب عرفانی قصے سنائے جاتے ہیں۔ میں ایرانی مولویوں کی مجالس بھی دیکھتا رہتا ہوں۔"

میں نے کہا نوحہ و قصیدہ خوانوں کے بارے آپ کیا فرماتے ہیں؟ انہوں نے کہا: "وہ لوگ بھی آپ کی ان حرکتوں کی وجہ سے بگڑے ہیں۔"

میں نے کہا کہ میں ان خطیبوں کے خلاف ہوں جو لوگوں کو ضعیف، جھوٹی اور توہم پرستی کی باتیں سناتے ہیں، اور میں نے ان کے خلاف بہت سے مضامین اور تحریریں لکھی ہیں۔ ہم آپ سے امید رکھتے ہیں کہ آپ اس پر کوئی بیان جاری کریں گے اور اس میدان میں ہماری مدد کریں گے۔ کیونکہ آپ کا موقف بہت موثر ہے۔ اس کے جواب میں انہوں نے کہا: "میں یہ باتیں جانتا ہوں اور انکے خلاف میری باتیں کچھ لوگوں نے بیان بھی کی ہیں، وہ شائع ہو چکی ہیں۔ لیکن میں ایران میں مداخلت نہیں کرنا چاہتا۔ ایران انجینئرڈ ہے اور اوپر ایک انجینئر بیٹھا ہے۔ مجھے مداخلت نہیں کرنی چاہئے۔"

میں نے کہا: میرا مقصد حکومتی معاملات میں دخل اندازی کی دعوت دینا نہیں ہے۔ لیکن آپ کی رائے دینی معاملات میں موثر ہے۔ لوگوں کے عقائد خطرے میں ہیں اور دین و عقائد کو بچانے کے لیے ان مسائل میں آپ کی مداخلت ضروری ہے۔ انہوں نے کہا:

"آپ کے ہاں جو یہ کہتے ہیں «سیاست ما عین دیانت ما و دیانت ما عین سیاست ماست» کہ ہماری سیاست ہمارا دین ہے اور ہمارا دین ہماری سیاست ہے، پھر آپ ان کو ایک دوسرے سے کیسے الگ کر سکتے ہیں؟ آپ کے دوست آقائے بہشتی نے انقلاب کے بعد جو آئین بنایا، انہوں نے اس کو یوں مرتب کیا کہ مرجعیت کے پاس صرف غسل و طہارت کے مسائل ہی رہ گئے اور باقی دین حکومتی معاملہ بن گیا۔ اب ہم کیا کہہ سکتے ہیں؟"

وجوب ولایت مولا علیؑ و آئمہ معصومینؑ

تحفظ و فروغ عزاداری امام حسینؑ

ولایت فقیہ و اجتہاد کی رد

حرمتِ سادات کا تحفظ و فروغ

وطن عزیز پاکستان سے محبت